سیاروں کی جنگ

تحریر: ایچ۔ جی۔ ویلز

ترجمہ: رشید خان



ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی

سیّاروں کی جنگ



سیّاروں کی جنگ

ترتیب

زمین سے مریخ ایک سرخ رنگ کا سیارہ دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے قدیم رومن باشندے اسے جنگ کا دیوتا سمجھتے تھے۔ ہم نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کے بارے میں اتنا نہیں جانتے جتنا مریخ کے بارے میں جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس سیارے کے بارے میں بہت سی فرضی کہانیاں لکھی جا چکی ہیں اور دل چسپ فلمیں بھی بنائی گئی ہیں۔ سیاروں کی جنگ (War of the Worlds) ایسی ہی ایک فرضی کہانی ہے۔ جو مشہور برطانوی مصنف، ایچ۔ جی۔ ویلز نے ۱۸۹۸ء میں لکھی تھی۔ یہ کہانی اس زمانے کی ہے، جب خلائی جہاز تیار نہیں ہوئے تھے اور انسان نے خلا میں قدم نہیں رکھا تھا۔ انسان کی بنائی ہوئی کوئی چیز مریخ تک نہیں پہنچی تھی۔ ہمیں اس سیارے کے بارے میں جو تھوڑی بہت معلومات حاصل تھیں وہ دوربین کے ذریعہ ہی ملی تھی۔ دوربین سے دیکھنے پر مریخ کی سطح سرخ نظر آتی تھی جس پر کچھ سیاہ علاقے بھی نظر آتے تھے ان کی شکلیں بدلتی رہتی تھیں۔ مریخ کی قطبین سفید نظر آتے تھے جیسے وہاں برف جمی ہوئی ہے۔ ان مشاہدات سے ہی پرانے ہیت دانوں (Astronomers) کو یہ گمان ہوتا تھا کہ شاید مریخ پر زندگی کے آثار موجود ہیں، لیکن وہ کس شکل میں ہیں اس کا جواب کسی کے

پاس نہیں تھا۔

اب ہم مریخ کے متعلق اپنے پرانے خیالات پر ہنستے ہیں اور حیرت کرتے ہیں کہ وہ کس قدر غلط تھے۔ جدید معلومات مختلف بھی ہیں اور زیادہ دل چسپ بھی۔

خلائی دور کی ابتدا ہوئی تو سائنس دانوں نے مریخ کے قریب سے خلائی جہاز گزارے۔ کچھ خلائی جہازوں نے اس سیارے کے چاروں طرف گردش کی اور کچھ اس کی سطح پر اتر بھی گئے۔ ان میں سے کسی میں کوئی خلاباز سوار تو نہیں تھا لیکن ایسے خود کار کیمرے اور سائنسی آلات ضرور موجود تھے جنھوں نے مریخ کی بہت عمدہ تصویریں اور اس کے متعلق نئی معلومات ہمیں بھیجیں۔

ان تحقیقات میں اہم ترین وہ ہیں جو وائی کنگ (Viking) نامی خلائی جہاز کے ذریعہ ممکن ہو سکیں۔ یہ خلائی جہاز ۱۹۶۷ء میں مریخ پر اترا۔ دو خلائی جہاز مریخ کے چاروں طرف گردش کرتے رہے۔ ان خلائی جہازوں کے خود کار آلات نے مریخ کی سطح کا جائزہ لیا اور کار آمد نقشے تیار کیے۔ ان خلائی جہازوں میں ایسے آلات بھی تھے جنھیں مریخ کی سطح پر اتارا جاسکتا تھا۔ یہ آلات مریخ کی پتلی فضا میں سے گزرتے ہوئے نیچے اترے۔ انھیں سورج کی زبردست حرارت سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ پہلے ان آلات کو مریخ کی سطح پر اتارنے کے لیے پیرشوٹ استعمال کیے گئے، پھر چھوٹے چھوٹے راکٹ انجنوں کے استعمال سے ان کی رفتا کم کی گئی اور آہستہ سے ان کو مریخ کی سطح پر اتار دیا گیا۔

وائی کنگ میں خود کار کیمرے بھی لگے ہوئے تھے۔ جیسے جیسے مریخ قریب آتا گیا وہ اس کی تصویریں لیتے گئے۔ ان تصویروں سے ظاہر ہوا کہ اس سیارے کی رنگت واقعی سرخ ہے اور اس میں جا بجا چٹانیں اور پتھر بکھرے ہوئے ہیں۔ اس خلائی جہاز میں لگے ہوئے آلات نے مریخ کی فضا کی تحقیقات کے بعد وائی کنگ نے زمین والوں کو اطلاع دی کہ مریخ کی فضا بہت پتلی یعنی لطیف ہے۔ ہماری فضا کا سواواں حصہ اور وہ زیادہ تر کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل ہے۔ اس میں تھوڑی مقدار میں آکسیجن اور نائٹروجن ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی فضا میں کوئی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا یعنی زندگی کا جو مفہوم زمین پر ہے مریخ پر نہیں ہو سکتا۔

مریخ ہماری زمین کے مقابلے میں سورج سے زیادہ فاصلے پر ہونے کی وجہ سے زیادہ سرد بھی ہے۔ مریخ کا گرم سے گرم دن بھی سرد ہوتا ہے۔ اور رات کو تو درجہ حرارت صفر سے سو درجہ نیچے رہتا ہے۔ مریخ پر موسم بدلتے ہیں۔

وائی کنگ میں جو آلات بھیجے گئے تھے اس کا مقصد یہ معلوم کرنا بھی تھا کہ اس سیارے پر زندگی کے کچھ آثار ہیں یا نہیں لیکن وہاں کسی زندگی کا سراغ نہیں ملا۔ گویا اب تک کی تحقیقات سے تو یہی ثابت ہوا ہے کہ مریخ ایک مردہ دنیا ہے۔ وہاں کسی قسم کی زندگی موجود نہیں۔ تاہم مریخ ہمارے لیے اب بھی ایک پراسرار اور ولولہ انگیز دنیا ہے۔

خطرناک منصوبہ

انیسویں صدی کے آخری چند سال ہیں۔ انسان بیسویں صدی کے دروازے پر کھڑا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس نے بہت ترقی کرلی ہے۔ وقت گزر نہیں رہا بلکہ چھلانگیں لگا رہا ہے۔ نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں جنھوں نے فاصلوں کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ مگر ان سب ترقیوں کے باوجود انسان ابھی بہت پیچھے ہے۔ اسے اس سے بھی کہیں زیادہ ذہین مخلوق کے بارے میں ابھی تک کچھ پتا نہیں۔ یہ مخلوق ہماری اس دنیا سے بہت دور ستاروں میں کہیں آباد ہے اور بڑی گہری نظروں سے ہماری دنیا کا مسلسل مطالعہ کر رہی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم کسی خُردبین سے جراثیم کا مطالعہ کرتے ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انسان نے خلا پر کوئی خاص توجہ نہیں کی تھی۔ اگر وہ اس طرف ذرا بھی دھیان دے لیتا تو اسے اس خطرے کے بارے میں ضرور معلوم ہوجاتا جو خلا سے ہماری دنیا کو تھا۔ خلا کی لامحدود وسعتوں میں بھی بہت سی دنیائیں آباد ہیں۔ اس کا کچھ کچھ اندازہ تو انسان کو تھا خصوصاً مریخ پر زندگی کے وجود کا اندازہ ہی نہیں بلکہ یقین

تھا۔ البتہ عام خیال یہ تھا کہ مریخ پر بسنے والا انسان ہم سے کم ذہین اور کم ترقی یافتہ ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس رابطے کے بعد ہمیں مریخ پر بسنے والی زندگی کی کچھ مدد بھی کرنی پڑے۔

مگر مریخ پر بسنے والی مخلوق معمولی نہیں تھی۔ یہ بڑی ذہین مخلوق تھی اور ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ بھی تھی۔ اس کی نظریں مسلسل ہماری زمین پر تھیں اور پھر جیسے ہی اسے اندازہ ہوا کہ ہماری حیثیت اس کے سامنے کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس نے بے فکر ہو کر ہماری اس خوب صورت اور حسین رنگ برنگی زمین کے خلاف انتہائی خطرناک منصوبے بنالیے۔ زمین پر بسنے والے انسان کو پتا ہی نہیں چلا کہ جس مخلوق کو وہ اپنے سے کم تر سمجھ رہا تھا وہ اس کے خلاف کیا کرنے والی ہے۔

سیارہ مریخ سورج سے ۱۴۰ ملین میل کے فاصلے پر واقع ہے اور سورج کے گرد گردش کر رہا ہے۔ سورج سے اتنے طویل فاصلے پر ہونے کی وجہ سے مریخ کو سورج کی وہ روشنی اور حرارت نہیں مل پاتی جس کی اسے ضرورت ہے۔ مریخ ہماری زمین کے مقابلے میں سورج کی آدھی روشنی اور حرارت حاصل کرپاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مریخ ہماری زمین سے زیادہ قدیم ہے اور جب ہماری زمین ٹھنڈی ہوئی تو اس سے کہیں پہلے مریخ پر زندگی وجود پا چکی تھی۔

مریخ رقبے کے اعتبار سے ہماری زمین سے چھوٹا ہے۔ شاید اسی لیے یہ زمین کے مقابلے میں جلدی ٹھنڈا ہوگیا ہو گا اور جلد ہی اس

درجہ حرارت کا حامل ہو چکا ہوگا جس پر زندگی کا وجود ممکن تھا۔ مریخ پر ہوا، پانی اور دوسری چیزیں جو انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری ہیں موجود ہیں۔ پھر بھی مریخ پر بسنے والی مخلوق کے بارے میں کوئی واضح تصور نہیں تھا مختلف خیالات تھے جو صحیح یا غلط بھی ہوسکتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن ہماری زمین بھی زیادہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اتنی ٹھنڈی کہ یہاں پر زندگی کا برقرار رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ عمل ہمارے پڑوسی مریخ کے ساتھ اس وقت ہورہا تھا اور وہ سرد سے سرد تر ہوتا جارہا تھا۔ مریخ کے خط استوا پر دن میں درجہ حرارت اتنا ہوتا ہے جو ہماری زمین کے سرد ترین جاڑے کے دن سے بھی زیادہ سرد ہے۔ مریخ کی ہوا ہمارے ہاں کی ہوا کے مقابلے میں بہت ہلکی ہے۔ اس کے سمندر اب اتنے چھوٹے ہوگئے تھے کہ یہ اس کی خشکی کے بہ مشکل ایک تہائی پر مشتمل تھے۔ اس کے شمالی اور جنوبی حصوں میں اتنی برف پڑتی ہے کہ موسم بدلنے کے بعد ہی یہ مریخ کی زمین پر سیلاب لاپاتی ہے۔

مریخیوں نے اب یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اگر انھیں زندہ رہنا ہے تو اپنے سیارے کو چھوڑ کر کہیں اور جا کر آباد ہونا ہوگا۔ ان کے پاس وسیع علم اور جدید ترین سائنسی آلات تھے جن کی مدد سے انھوں نے خلا میں اور خلا کے پار کھوجنا شروع کیا۔ ان کے آلات اس قدر جدید تھے کہ جن کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے ۔ وہ اتنے ترقی یافتہ تھے کہ اس ترقی تک پہنچنے میں ہمیں شاید صدیاں لگ جائیں۔ پھر انھوں نے ہمارے حرارت بخش سیارے ”زمین“ کو تاڑ لیا۔ زمین سے ان کا فاصلہ

۳۵ ملین میل ہے۔ انھوں نے ہماری سرسبز زمین، نباتات اور پیڑ پودوں سے سجی ہماری دنیا اور نیلگوں سمندر کے ہار پہنے اس سیارے کو پسند کر لیا۔ گہرے سیاہ اور سفید بادلوں کے اس پار سے مریخیوں نے ہمارے آباد شہروں اور ملکوں کا جائزہ بھی لے لیا تھا اور اس کے گہرے نیلے سمندروں کو بھی خوب دیکھ لیا تھا۔ انھوں نے اس سیارے کی مخلوق یعنی انسان کو بھی خوب اچھی طرح دیکھا۔ ان کی نظر میں ہماری اہمیت وہی تھی جو ہماری نظروں میں بندروں کی ہوتی ہے۔

اب انھیں اپنے سیاروں سے ہجرت کرنی تھی اور ہمارے سیارے میں آکر آباد ہونا تھا۔ اسی صورت میں یہ مخلوق بچ سکتی تھی ورنہ اس کی تباہی یقینی تھی۔ پھر انھوں نے اس کے لیے منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ ان کا ہر منصوبہ ہر اعتبار سے مکمل تھا۔ ان میں غلطی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اگر انسان انیسویں صدی کے اس اختتام پر زیادہ ترقی یافتہ ہوتا تو شاید وہ اپنی زمین کی طرف بڑھنے والے خطرے کو پہلے سے بھانپ لیتا اور اس کے بچاؤ کا انتظام کرتا، مگر کیا کیا جائے کہ انسان اس زمانے میں سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں بہت پیچھے تھا۔

مریخ پر دھماکا

یہ چھے سال پہلے کی بات ہے۔ جاوا میں ایک سائنس داں جس کا نام لاویل تھا اپنے خلا سے متعلق تحقیقی تجرباتی کاموں میں مصروف تھا کہ اس نے مریخ پر ایک زبردست دھماکے کو نوٹ کیا۔ اس نے مریخ کی سطح پر ایک بہت زبردست روشن گیس کے بگولے کا سراغ بھی لگایا تھا۔ یہ واقعہ ۱۲ اگست کو رات بارہ بجے پیش آیا۔ لاویل کے سائنسی آلات نے بتایا کہ یہ شعلے والی گیس ہے۔ یہ بہت تیزی کے ساتھ زمین کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سوا بارہ بجے روشن گیس کا یہ گولا اچانک غائب ہو گیا۔ لاویل نے اسے ایک بہت روشن آگ کا بادل قرار دیا جو کسی سیارے پر ایک دھماکے کے ساتھ نمودار ہوا اور پھر غائب ہو گیا۔

اس بات پر کسی نے دھیان بھی نہ دیا۔ اگلے دن کے اخبارات میں اس بھیانک خطرے سے متعلق کوئی خبر تک شائع نہیں ہوئی۔ دنیا کو ابھی تک اپنی طرف بڑھنے والے اس بھیانک خطرے کا پتا نہ تھا۔ یہ وہ خطرہ تھا جو انسانی نسل کو ہمیشہ کے لیے تباہ کر دینے والا تھا۔ اس سے پہلے میں نے کسی روشن گیس کے گولے کے بارے میں کبھی کچھ نہ سنا

تھا۔ لہٰذا میں فوراً اوگلوی کے پاس پہنچا جو اوٹرشا میں رہتا تھا۔ وہ یہ خبر سن کر اچھل پڑا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میری اس دوربین سے اس سرخ سیارے مریخ کا مشاہدہ کرو۔ ہم دونوں نے باری باری دوربین سے مریخ کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ میں نے بہت دور گہرے نیلے دائروں میں موجود مریخ کا جائزہ لیا۔ مریخ بالکل چھوٹا سا دکھائی دے رہا تھا' روشن اور بے حرکت۔ یہ ہم سے ۴۰ ملین دور خلا میں واقع تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور بھی چیز تھی جس کو میں نہیں دیکھ سکا' کیونکہ وہ بہت چھوٹی سی چیز تھی اور بڑی تیزی سے ہماری زمین کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ وہی چیز تھی جو مریخیوں نے ہماری طرف بھیجی تھی اور یہ ان کے منصوبے کی ابتدا تھی۔ زمین کے ساتھ ان کی جنگ شروع ہو رہی تھی۔ پھر میری نظر اس پر پڑ گئی۔ میرے سان وگمان میں بھی نہیں تھا اور میرے کیا اس وقت مزے سے سونے والے شاید کسی بھی شخص کے خواب وخیال میں یہ نہ تھا کہ مریخ سے زمین کی طرف ایک انتہائی خطرناک میزائل داغا گیا ہے۔

اس رات مریخ سے ایک اور میزائل داغا گیا۔ میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ سیارہ مریخ کے اردگرد دائروں سے ایک روشن گولا دھماکے کے ساتھ نمودار ہوا۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا۔ میں نے اس دھماکے اور روشن گولے کے بارے میں اوگلوی کو بھی بتایا۔ اس نے دوربین سنبھالی اور بڑے جوش کے ساتھ گیس کے اس چشمے کا بغور مشاہدہ کرنا شروع کردیا۔ اسی رات ایک اور میزائل مریخ سے زمین کی طرف روانہ ہوا۔

ایک بجے رات تک اوگلوی اس کا مشاہدہ کرتا رہا۔ پھر اس نے دوربین ایک طرف رکھ دی ۔ ہم نے لیمپ جلایا اور اوگلوی کی آبزرویٹری سے اس کے گھر کی طرف چل دیے۔ دنیا کے لوگ ان تمام خطروں سے بے خبر چین کی نیند سو رہے تھے۔

ہمارے علاوہ سیکڑوں لوگوں نے ان روشن گیس کے گولوں کو دیکھا۔ پہلی رات کو اس کے بعد آنے والی رات کو اور پھر ہر رات انھیں یہ روشن شعلے نظر آتے رہے ۔ مسلسل دس راتوں تک لوگوں نے انھیں دیکھا۔ اخبارات نے ان روشن گولوں پر مختلف کہانیاں چھاپنی شروع کردیں۔ انھیں مریخ کے ان میزائلوں کے بارے میں کچھ پتا نہ تھا جو ایک سیکنڈ میں کئی میل کی رفتار سے زمین کی طرف چلے آرہے تھے۔

ایک رات میں اپنی بیوی کے ساتھ چہل قدمی کرنے نکلا۔ آسمان چمک دار ستاروں سے بھرا پڑا تھا۔ میں نے مریخ کی طرف اشارہ کیا جو ایک چمک دار نقطے کی طرح نظر آرہا تھا۔اس روشن نقطے کی طرف اس وقت بہت سی دوربینیں لگی ہوئی تھیں ۔ رات بڑی گرم تھی۔ جب ہم واپس گھر آرہے تھے تو ہم نے زندہ دلوں کی ایک ٹولی دیکھی جو گاتی بجاتی چلی آرہی تھی۔ لوگ اپنی خواب گاہوں میں جاچکے تھے ۔ یہیں سے کچھ دور ریلوے اسٹیشن تھا جہاں سے ٹرینوں کے آنے اور جانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہر طرف اطمینان اور سکون تھا۔

اس کے بعد وہ رات آئی جب ایک تارہ ٹوٹ کر زمین پر گرا۔ صبح

ہونے کو تھی کہ ونچسٹر میں ایک روشن لکیر گرتی نظر آئی۔ سیکڑوں لوگوں نے اسے دیکھا اور ایک عام تارہ ٹوٹنے کا واقعہ سمجھا۔ اس وقت میں اپنے گھر میں کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے تھے، کیونکہ مجھے رات میں چمک دار ستاروں سے بھرے آسمان کو دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ مگر یہ اتفاق تھا کہ میں اس ٹوٹنے اور گرتے تارے کو نہ دیکھ سکا۔ میں اگر لکھنے میں مصروف نہ ہوتا تو شاید اسے دیکھ لیتا۔ دیکھنے والوں کا کہنا تھا کہ یہ تارہ ایک سنسناتی ہوئی آواز کے ساتھ زمین پر گرا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ یہ کوئی شہاب ثاقب تھا۔

پو پھٹتے ہی اوگلوی جس نے تارہ گرتے دیکھا تھا گھر سے باہر نکلا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ شہابِ ثاقب دور میدان میں کہیں گرا ہوگا مگر یہ سینڈ پٹس کے قریب ہی موجود تھا۔ گرنے کے بعد وہاں زمین میں خاصا گہرا گڑھا بن گیا تھا اور بہت سی مٹی اور پتھر اڑ کر آس پاس گرے تھے۔ ان سے اونچے اونچے ٹیلے سے بن گئے تھے جو خاصی دور سے بھی نظر آرہے تھے۔ آس پاس کی گھاس جل چکی تھی اور ہلکا ہلکا نیلا دھواں فضا میں پھیلا ہوا تھا۔

وہ "چیز" زمین میں تقریباً پوری کی پوری دھنس چکی تھی ۔ جو حصہ زمین سے باہر نظر آرہا تھا وہ ایک بہت بڑے سلنڈر کی طرح تھا۔ یہ کوئی تیس گز لمبا تھا۔ اوگلوی اس کے قریب گیا۔ اس کی لمبائی باعث حیرت تھی ۔ اس کی بناوٹ کو دیکھ کر اوگلوی کو اور بھی حیرت ہوئی کیونکہ عموماً شہاب ثاقب گول ہوتے ہیں۔ یہ چیز ابھی تک گرم تھی کیونکہ لمبا سفر

طے کر کے آئی تھی، اسی لیے اوگلوی اسکے قریب نہ جا سکا۔ پھر اس نے سلنڈر کے اندر ایک آواز سی بھی سنی ۔ یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ واقعی یہ آواز تھی، مگر اس نے سوچا کہ یہ گرم چیز کے ٹھنڈا ہونے پر دھات کے چٹخنے کی آواز ہے۔ اوگلوی کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ یہ چیز اندر سے کھوکھلی ہے۔ وہ بڑی حیرت اور اچنبھے سے اس عجیب و غریب "چیز" کو مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔اس کا رنگ بھی عجیب و غریب تھا اور اس کی بناوٹ بھی ۔ فضا میں ابھی تک بڑا سکوت طاری تھا۔ سورج آہستہ آہستہ درختوں کی اوٹ سے بلند ہو رہا تھا۔ اس دن صبح کو چڑیاں بھی نہیں چہچہائیں اور نہ ہوا چل رہی تھی۔ جو واحد آواز وہاں آرہی تھی وہ سلنڈر کے اندر سے آرہی تھی۔ وہاں اوگلوی اور اس عجیب پراسرار سلنڈر کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی وقت اس کی نظر سلنڈر کے اوپری حصے پر پڑی جہاں سے کچھ گرد اور مٹی گری تھی اور پھر ایک خاصا بڑا سا ٹکڑا گرا تو اوگلوی اچھل پڑا۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ کیا ہوا ہے پھر وہ ذرا سا آگے بڑھا اور گڑھے کے اور قریب ہو کر سلنڈر کو دیکھنے لگا، وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ سلنڈر سے مٹی کیوں گری ہے۔

یہ کیا ہے؟

اوگلوی کی آنکھیں یہ دیکھ کر حیرت سے پھٹ گئیں کہ سلنڈر کا اوپری گول ڈھکنا ہل رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آرہا تھا۔ پھر اسے کسی چیز کے گھسنے یا کچھ کھرچنے کی آواز سنائی دی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ یہ سلنڈر اندر سے کھوکھلا ہے جس کا دروازہ بھی ہے۔ اندر جو کوئی تھا اس کے دروازے کو کھول رہا تھا۔

"اوہ میرے خدا ! ضرور اندر کوئی انسان ہے جو اب تک جل بھن چکا ہو گا اور شاید مرنے والا ہو۔ وہ یقیناً موت سے بچنے کی آخری کوششوں میں مصروف ہے"۔ اوگلوی بڑبڑایا۔ پھر اسے مریخ پر ہونے والے پراسرار دھماکے اور روشن گولے یاد آئے۔ اسے یقین سا ہو گیا کہ اس مخلوق کا جو سلینڈر کے اندر ہے، تعلق مریخ سے ہے اور یہ غریب اتنی خوفزدہ ہے کہ موت کے ڈر سے گھبرا کر باہر نکلنا چاہ رہی ہے۔ وہ یہ بھی بھول بیٹھی ہے کہ باہر سے سلنڈر کتنا گرم ہو گا۔ اوگلوی سب کچھ بھلا کر سلنڈر کی طرف بڑھا تا کہ اس کا دروازہ کھولنے میں اندر موجود مخلوق کی مدد کر سکے۔ مگر یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ

گرمی بہت زیادہ تھی جس نے اسے آگے نہ بڑھنے دیا۔ وہ ایک لمحے تک الجھی ہوئی نظروں سے سلنڈر کی طرف دیکھتا رہا پھر گڑھے سے تیزی سے باہر نکل آیا اور اپنے گھر کی طرف دوڑنے لگا۔ یہ کوئی چھے بجے صبح کا وقت تھا۔ وہ سڑک پر دیوانہ وار دوڑتا چلا جا رہا تھا کہ اس کی نظر ہینڈرسن پر پڑی ۔ ہینڈرسن ایک مصنف تھا اور اس وقت اپنے گھر کے باغیچے میں ٹہل رہا تھا۔ اوگلوی نے ہینڈرسن کو آواز دی اور پوچھا :

"کیا تم نے گزشتہ رات کوئی ستارہ گرتے دیکھا ہے؟"

"ہاں' ہاں ۔" ہینڈرس نے جواب دیا۔

"وہ باہر میدان میں موجود ہے' وہ شہاب ثاقب نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہی ہے۔ وہ تو کوئی سلنڈر ہے جسے یقیناً انسان نے بنایا ہے۔ اس سلنڈر میں کوئی شخص یا کوئی جان دار موجود ہے۔" اوگلوی نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"کیا؟" یہ سن کر ہینڈرسن اچھل پڑا۔

پھر اوگلوی نے اسے وہ سب کچھ تفصیل سے بتا دیا جو اس نے دیکھا تھا۔ ہینڈرس فوراً اپنے باغیچے سے باہر آیا اور دونوں اس میدان کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ابھی تک سلنڈر موجود تھا۔ مگر اب اس میں اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ سلنڈر کے اوپر کا گول ڈھکنا اسی طرح بند تھا۔ دونوں نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی اور پھر ایک لکڑی سے سلنڈر کو بجایا بھی' مگر کچھ نہ ہوا۔ انھوں نے سوچا کہ اندر جو بھی لوگ موجود ہیں وہ یا تو بے ہوش ہو چکے ہیں یا مر گئے ہیں۔

وہ دونوں کر بھی کیا سکتے تھے۔ انھوں نے چیخ چیخ کر کہا کہ تم لوگ گھبراؤ نہیں۔ ہم جلد ہی مدد لے کر آتے ہیں۔ پھر دونوں واپس دوڑتے ہوئے آئے۔ راستے میں ہر شخص انھیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ سر سے پیر تک مٹی میں اٹے ہوئے' حال سے بے حال' بس دیوانہ وار دوڑ رہے تھے۔ اب آہستہ آہستہ لوگ جاگنے لگے تھے۔ ہینڈرسن سیدھا ریلوے اسٹیشن کے اندر گیا اور وہاں سے لندن کے لیے ایک تار دیا۔

آٹھ بجے صبح تک اس میدان میں خاصے لوگ جمع ہوگئے جہاں ان کے خیال میں مریخی مخلوق کے مردہ جسم اس پراسرار سلنڈر میں بند تھے۔ یہی کہانی آہستہ آہستہ سب لوگوں کو معلوم ہوتی گئی۔ پونے نو بجے اس لڑکے نے مجھے یہ خبر سنائی جو میرے گھر اخبار ڈالتا تھا۔ یہ سن کر ظاہر ہے مجھے شدید حیرت ہوئی۔ میں اندھا دھند گھر سے نکلا اور سلنڈر کی طرف بھاگا۔

میں نے دیکھا کہ میدان میں بیس پچیس افراد موجود ہیں جنھوں نے اس گڑھے کے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے جہاں سلنڈر ابھی تک اسی حالت میں پڑا تھا۔ ہینڈرسن اور اوگلوی وہاں نظر نہیں آئے۔ میں سمجھ گیا کہ جب ان کے کچھ پلے نہیں پڑا ہوگا تو وہ ناشتہ کرنے چلے گئے ہوں گے۔

گڑھے کے کنارے پر چار پانچ لڑکے بیٹھے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے اور سلنڈر پر پتھر مار رہے تھے۔ میں نے انھیں روکا اور وہ اٹھ کر وہاں سے کہیں اور چلے گئے۔ لوگ زیادہ تر خاموش کھڑے تھے۔ اس وقت انگلینڈ کے اس قصبے کے بہت کم لوگ علم فلکیات کے بارے

میں جانتے تھے۔ وہ سب چپ چاپ سلنڈر کو گھورے جا رہے تھے جو اب تک بے حس و حرکت تھا۔ لوگ آتے رہے اور جاتے رہے۔ میں گڑھے میں اترا۔ اسی وقت میں نے محسوس کیا جیسے میرے قدموں کے نیچے زمین ہلی ہو۔ اس وقت تک مجھے پورا یقین ہو چکا تھا کہ یہ پراسرار چیز مریخ سے ہی آئی ہے' مگر اس کا مجھے یقین نہیں تھا کہ اس کے اندر کوئی جاندار موجود ہے۔ ہوسکتا ہے سلنڈر کا وہ دروازہ (ڈھکنا) خود کار ہو۔ البتہ یہ بات میرے دل کو لگی کہ یہ مریخ سے ہی آئی ہے اور زمین والوں کے لیے کوئی اہم پیغام لائی ہے۔ ہوسکتا ہے اس پیغام کو پڑھنے اور سمجھنے میں برسوں لگ جائیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس سلنڈر کے اندر سکے اور نمونے ہوں۔ بہرحال ان تمام چیزوں کو لانے کے لیے سلنڈر بہت بڑا تھا۔ میں بے چینی سے اس کے کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ گیارہ بجے میں واپس گھر چلا آیا' مگر گھر میں بھی مجھے چین نہ آیا' اور میں کوئی کام نہ کر سکا۔

دوپہر کو میدان میں کچھ زیادہ لوگ جمع ہوگئے۔ لندن کے شام کے اخبارات کی بڑی بڑی سرخیوں نے لوگوں کو چونکا دیا :

زمین والوں کے لیے مریخ سے پیغام آیا ہے

ووکنگ کے میدان کی ناقابل یقین کہانی

اس کے علاوہ اوگلوی کے بھیجے ہوئے تار نے پورے ملک کی رصد گاہوں کو متحرک کر دیا تھا۔ یہ بہت گرم دن تھا۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ ایک بھی بادل نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ ہوا چل رہی تھی۔ گھاس آگ لگنے

سے جل چکی تھے اور سیاہ ہوگئی تھی۔ جب میں گڑھے کے قریب پہنچا تو میں نے نصف درجن لوگوں کو گڑھے کے اندر کھڑے پایا۔ ہینڈرسن اور اوگلوی بھی وہاں موجود تھے۔ ان کے ساتھ لمبے لمبے نرم بالوں والا اسٹینٹ بھی تھا جو ایک مشہور ماہر فلکیات تھا۔ وہاں چند مزدور بھی تھے جو ہاتھوں میں کدالیں اور پھاوڑے لیے ہوئے تھے۔ اسٹینٹ ان مزدوروں کو ہدایات دے رہا تھا اور خود سلنڈر کے اوپر کھڑا تھا۔ سلنڈر اب خاصا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اسٹینٹ کا چہرہ گرمی کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے سے پسینہ بھی بہہ رہا تھا۔

زمین کے چاروں طرف سے کھود کھود کر سلنڈر کر خاصا باہر نکال لیا گیا تھا' لیکن اس کا نچلا حصہ ابھی تک زمین میں دھنسا ہوا تھا۔

جیسے ہی اوگلوی کی نظر مجھ پر پڑی اس نے مجھے نیچے گڑھے میں آنے کو کہا۔ پھر اوگلوی نے مجھے لارڈ ہلٹن کے پاس جانے کو کہا۔ لارڈ ہلٹن اس علاقے کے آخری سرے پر ایک حویلی نما مکان میں رہتے تھے۔ اوگلوی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ یہاں بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ خاص طور سے نوجوان لڑکے بہت پریشان کر رہے ہیں' اس لیے یہاں کوئی رکاوٹ کھڑی کر دی جائے تاکہ لوگ گڑھے کے قریب نہ آسکیں۔ میرے پوچھنے پر اوگلوی نے بتایا کہ سلنڈر کے اندر سے ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی ہیں۔ مزدوروں نے اس کے ڈھکن کو کھولنے کی بہت کوشش کی' مگر کھل نہیں سکا۔

میں لارڈ ہلٹن کے گھر گیا' مگر وہ گھر پر نہیں تھے۔ ان کے ملازم نے

مجھے بتایا کہ وہ شام کی ٹرین سے چھ بجے تک آجائیں گے۔ میں گھر آیا۔ کچھ دیر آرام کیا۔ چائے وغیرہ پی اور پھر لارڈ ہلٹن سے ملنے کے لئے اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

سلنڈر کھلتا ہے

میں جب واپس میدان میں پہنچا تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ گڑھے کے پاس لوگوں کا ہجوم بڑھ چکا تھا۔ کوئی دو سو آدمی ہوں گے۔ سلنڈر کا ڈھکن اندر سے کھولا جا رہا تھا۔ اسی وقت کسی نے مجھے پیچھے سے دھکا دیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور جب دوبارہ سلنڈر کی طرف دیکھا تو اس کا ڈھکن کھل چکا تھا۔ ڈھکن کی کنڈی ایک آواز کے ساتھ زمین پر گری۔ اندر مکمل اندھیرا تھا۔ میری طرح ہر شخص یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ اندر سے انسان جیسی کوئی مخلوق نمودار ہوگی۔ مگر وہاں تو اور چیز نظر آ رہی تھی۔ ایک سایہ سا حرکت کر رہا تھا۔ ایک بل کھاتی لہراتی سی سیاہی مائل بھورے رنگ کی چیز۔ ایک کے بعد ایک اور پھر دو بالکل گول چمک دار آنکھیں نظر آئیں۔ سانپ جیسی بھورے رنگ کی ایک چیز نمودار ہوئی جس کی موٹائی دستی چھڑی جتنی تھی اور یہ چیز مسلسل حرکت کر رہی تھی۔ اس کے بعد یہ سانپ نما لہراتی بل کھاتی چھڑیاں ایک کے بعد دوسری باہر آنے لگی۔ اچانک وہ لہراتی چیز میری طرف بڑھی۔ میرا تو حلق خشک ہو گیا۔ پیچھے سے کسی عورت نے چیخ ماری۔ میں نے سلنڈر پر

نظریں جماتے ہوئے پیچھے کھسکنا شروع کیا اس طرح کہ اور بھی لہراتے بل کھاتے بازو سلنڈر سے مسلسل باہر آ رہے تھے۔ میرے آس پاس موجود لوگ بھی خوف زدہ ہوگئے تھے۔ ہر طرف چیخ و پکار مچنے لگی تھی۔ سبھی لوگ آہستہ آہستہ گڑھے سے دور ہونے لگے۔ اچانک میں نے اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کیا۔ گڑھے کے دوسری طرف کے لوگ اب تیزی سے بھاگنے لگے تھے۔ میری نظر دوبارہ سلنڈر کی طرف اٹھی اور ایک خوفناک منظر نے میرے قدم زمین میں جما دیے۔ میں بے حس و حرکت کھڑا خوف زدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

ایک گرے رنگ کا گول سا جسم جو قد، قامت میں ایک ریچھ کے برابر ہوگا، آہستہ آہستہ سلنڈر سے باہر نمودار ہو رہا تھا۔ جیسے ہی یہ لجلجا جسم بل کھاتا ہوا باہر روشنی میں آیا تو کسی بھیگے ہوئے چمڑے کی طرح چمکنے لگا۔ دو بڑی اور سیاہ آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ ایک گول سا چہرہ تھا۔ آنکھوں کے نیچے منہ بھی تھا۔ یہ منہ ہل رہا تھا اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا اور بھیگا ہوا تھا اتنا کہ اس سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

یہ مریخی تھا۔ ایک زندہ مریخی جو بہت خوف ناک لگ رہا تھا۔ اس کا منہ انگریزی کے حرف "وی" کی شکل کا تھا جو اس کے اوپری ہونٹ سے جڑا ہوا تھا۔ نیچے کے ہونٹ کے ساتھ ٹھوڑی نہیں تھی۔ یہ منہ مسلسل کپکپا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے آکٹوپس کی طرح کے بازو بھی مسلسل حرکت میں تھے۔ وہ اجنبی ہوا میں مشکل سے سانس لے رہا

تھا۔ مجھ سے تو ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں برسوں سے بیمار ہوں۔ اس چکنے جسم، خطرناک آنکھوں اور سانپ جیسے بازوؤں میں کچھ ایسی بات تھی جس نے مجھ کو دہشت زدہ کر دیا تھا۔

اچانک وہ بھیانک مخلوق غائب ہوگئی۔ میں ہڑبڑا کر گڑھے کے اندر سلنڈر کے اوپری حصے پر گر پڑا۔ اندر سے مجھے ایک خوفناک چیخ سنائی دی۔ اور پھر اس بھیانک مخلوق کے دوسرے ساتھی سلنڈر کے دروازے پر نمودار ہوئے۔ اب تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں اٹھا اور تیزی سے درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگا جو تقریباً سو گز دور نظر آ رہا تھا۔ میں گرتا پڑتا بھاگ رہا تھا اور اس خوفناک مخلوق کی طرف سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

سلنڈر کے اندر سے نکلنے والی عجیب و غریب مخلوق نے مجھے اتنا خوف زدہ کر دیا تھا کہ جیسے ہی میں درختوں کے جھنڈ میں پہنچا میں بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ میں ابھی تک اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں وہ بھیانک بلائیں موجود تھیں۔ میں اب گڑھے کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا، مگر یہ دیکھے بغیر بھی چین نہیں آ رہا تھا کہ اب وہاں کیا ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں نے ایک لمبا چکر کاٹا۔ میں ایسی اونچی جگہ کی تلاش میں تھا جس پر چڑھ کر ان بلاؤں کو دیکھ سکوں۔ اسی وقت ان بلاؤں کے آکٹوپس جیسے بازو اور آنکھیں چمکتی نظر آئیں۔ اس کے بعد ایک پتلی سی سلاخ بلند ہونی شروع ہوئی جس میں بہت سے جوڑ سے تھے۔ اس سلاخ کے اوپر ایک گول آئینہ سا لگا ہوا تھا جو بڑی تیزی سے چاروں طرف گھوم رہا

تھا۔ "پتا نہیں کیا ہورہا ہے؟" میں نے سوچا اب خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ دور وو کنگ کی طرف والے میدان کے حصے میں لوگ خاصی تعداد میں جمع ہوگئے تھے۔ اور وہ پھر ایک ایک دو دو کرکے گڑھے کے نزدیک آنے لگے۔ وہ آگے بڑھتے' رکتے' جائزہ لیتے اور پھر آگے جاتے۔ میں بھی اس طرف سے گڑھے کی طرف چل پڑا۔ پھر میری نظر لوگوں کی ایک ٹولی پر پڑی۔ وہ گڑھے سے کوئی تیس گز دور تھے۔ سب سے آگے آنے والا آدمی ایک سفید جھنڈا ہلاتا چل رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ گڑھے کے قریب آتے چلے گئے۔

یہ ایک خاص ٹولی تھی جو شاید مریخیوں سے بات چیت کرنے آئی تھی۔ یہ بڑی عجیب و غریب ملاقات ہوتی۔ لوگوں کو یہ پتا تھا کہ مریخ کے لوگ ہم زمین والوں سے زیادہ ذہین ہیں' حال آنکہ شکل صورت میں وہ بہت بھیانک لگ رہے تھے' مگر تھے تو قابل اور ترقی یافتہ۔ اسی لیے زمین کے کچھ لوگوں نے سوچا کہ ان کو بتایا جائے کہ ہم زمین والے بھی ان کی طرح ذہین اور سمجھ دار ہیں۔

سفید جھنڈا پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف لہرایا گیا۔ وہ مجھ سے خاصے دور تھے اس لیے میں انھیں پہچان نہیں پا رہا تھا' مگر میں نے اسٹینٹ' اوگلوی اور ہنڈرسن کو پہچان لیا۔ وہ اس گروپ میں شامل تھے۔ ان کے پیچھے ذرا فاصلے پر کچھ اور لوگ بھی تھے۔

اچانک روشنی کا زور دار جھماکا ہوا اور بہت سارا چمک دار سبزی مائل دھواں گڑھے میں سے فضا میں بلند ہوا۔ یہ دھواں یا شعلوں کے

بادل بہت چمک دار تھے۔ اسی وقت ایک ہلکی سی سنسناہٹ کی آواز بھی سنائی دی۔

سفید جھنڈا لیے لوگوں کی ٹولی خاموشی سے کھڑی دیکھ بھی رہی تھی اور سن بھی رہی تھی۔ جیسے ہی سبزی مائل دھواں فضا میں بلند ہوا ان لوگوں کے چہرے زرد پڑگئے۔ پھر سنسناہٹ کی آواز تیز ہوگئی اور روشنی لوگوں پر پڑی جو گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ بس ایسا لگا کہ ایک روشنی سی چمکی ہو اور پھر سفید دھواں پھیل گیا۔ ہر شخص کھڑے کھڑے آگ میں تبدیل ہوگیا۔ انھی شعلوں کی روشنی میں میں نے ان لوگوں کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا۔ ان کے پیچھے جو لوگ کھڑے تھے وہ مڑے اور سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

میں خاموشی سے کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے؟ ایک ایک کرکے بہت سے لوگ میری نظروں کے سامنے راکھ کے ڈھیر بن گئے۔ ہر طرف خاموشی سی چھا گئی۔ جیسے ہی روشنی اور گرمی کی یہ شعاع ان لوگوں پر ہوتی ہوئی درختوں پر پڑی وہ درخت بھی جل کر راکھ ہوگئے۔ اس کے علاوہ لکڑی سے بنے ہوئے مکانات بھی موت کی اس شعاع سے محفوظ نہ رہ سکے۔

میرے جسم سے پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ موت کی نظر نہ آنے والی اس تلوار نے آنکھ جھپکتے میرے سامنے جیتے جاگتے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یہ آگ اب میری طرف ان جھاڑیوں کے ذریعہ بڑھ رہی تھی جو موت کی شعاع کی زد میں آگئی تھیں۔ ہر طرف آگ

کے سلگنے اور پتوں اور لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر یہ سنسناہٹ بند ہوگئی اور سیاہ گول لجلجا جسم آہستہ سے گڑھے میں غائب ہو گیا۔ یہ سب اتنا اچانک اور تیزی سے ہوا کہ میں دم بخود کھڑا رہ گیا۔ روشنیوں کے دھماکوں نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس جگہ نہیں تھا جہاں موت کی شعاع نے تباہی پھیلائی تھی۔ اب پورے میدان میں تاریکی اور خاموشی تھی۔ آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے اور مغرب میں سبز رنگ کے دھویں نے آسمان کو زرد کرکے رکھ دیا تھا۔ مریخی اور ان کی تباہی پھیلانے والی مشینیں غائب ہو چکی تھیں۔ صرف وہ سلاخ نظر آ رہی تھی جس پر متحرک آئینہ لگا ہوا تھا۔ کہیں کہیں گھاس ابھی تک سلگ رہی تھی اور بہت سے درختوں سے دھواں بھی اٹھ رہا تھا۔ کچھ مکانوں سے ابھی تک شعلے اٹھ رہے تھے۔ وہ انسان جو سفید جھنڈا ہاتھ میں لے کر امن اور دوستی کا پیغام لائے تھے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ سوچتے سوچتے خوف کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ بڑی مشکل سے میں جا کر مڑا اور اندھا دھند وہاں سے بھاگ نکلا۔

موت کی شعاع

یہ ایک سربستہ راز تھا۔ مریخیوں نے آخر یہ کیا چیز بنائی تھی جو اتنی خاموشی اور تیزی سے انسانوں کو مار رہی تھی۔ خالی چھونے سے انھیں شعلوں میں تبدیل کررہی تھی۔ لوہے کو پگھلا رہی تھی۔ شیشے کو توڑ رہی تھی؟۔ جب یہ شعاع پانی پر پڑتی تو دھماکا ہوتا اور پانی بھاپ بن کر اڑنے لگتا۔

اس رات موت کی شعاع نے اس خوفناک گڑھے کے پاس چالیس انسانوں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ آس پاس کے تمام علاقوں' کامن' ہورسل اور ے بری میں موت کا سا سناٹا چھا گیا یہ خبر کوب ہم' روٹرشا اور ووکنگ ایک ساتھ پہنچی۔ شام کو بازار بند ہونے کے بعد سارے لوگ یہ خوف ناک منظر دیکھنے آئے۔ اس وقت تک ووکنگ میں معلوم نہیں ہوا تھا کہ سلنڈر کھل چکا ہے' حال آنکہ غریب ہنڈرسن نے ایک سائیکل سوار کے ہاتھ شام کے مقامی اخبار کو یہ خبر بھجوادی تھی۔ خاصے لوگ جمع ہوگئے۔ وہ بڑی حیرت سے گھومتے ہوئے آئینے کو دیکھ رہے تھے جو سینڈس پٹ سے دور سے نظر آ رہا تھا۔ جس وقت موت کی شعاع

نے امن کی بات چیت کرنے کے لیے آنے والوں کو تباہ کیا تھا اس وقت تین سو کے لگ بھگ آدمی موجود تھے۔ اس کے بعد اور لوگ آگئے۔ تین پولیس والے بھی لوگوں کو اس جگہ سے دور رکھنے کے لیے وہاں آگئے تھے جن میں سے ایک گھڑسوار تھا۔ اسٹینٹ ان لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ اسٹینٹ اور اوگلوی نے حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اعلا عہد داران سے فوجیوں کو بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ ان کا مقصد ان تین عجیب و غریب مریخیوں کو بھی انسانوں سے بچانا تھا کہ کہیں انسان مشتعل ہوکر ان پر حملہ نہ کردیں۔

فوجی نوجوانوں کے آنے پر اسٹینٹ اور اوگلوی نے انھیں ساری تفصیل بتادی۔ آپ حیران ہوں گے کہ اتنے لوگ مریخیوں کے ہاتھ سے کیسے بچ گئے۔ بات یہ ہے کہ نگرانی کرنے والی آنکھ ذرا سی نیچے رہ گئی تھی اگر وہ کچھ اور بلند ہوتی تو آپ کو یہ کہانی سنانے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔

اسی وقت دوسرا حملہ ہوا۔ موت کی شعاع نے اپنا کام دوبارہ شروع کردیا۔ اس کے راستے میں جو چیز آتی، آگ پکڑلیتی، ٹوٹ جاتی اور پگھل جاتی۔ بہت سے مکانوں کی دیواریں ٹوٹ گئیں چھتیں اڑ گئیں۔ جن لوگوں پر یہ شعاع پڑگئی وہ جل کر خاک ہوگئے۔ گھاس اور درختوں نے آگ پکڑلی۔ گھڑسوار پولیس مین اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور اس نے چیخ کر کہا :

"بھاگو مریخی آرہے ہیں"۔

پھر وہ بھگدڑ مچی کہ کچھ نہ پوچھیے۔ جس کا جدھر منھ اٹھا وہ ادھر ہی دوڑ پڑا۔ سڑک چوں کہ پتلی تھی اس لیے دھکم پیل شروع ہوگئی۔ اس بھگدڑ میں دو عورتیں اور ایک بچہ کچل گیا۔

جمعہ کی رات ووکنگ سینڈس پٹ کے علاقے میں رہنے والا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو مریخیوں کی آفت سے محفوظ رہا ہو۔ اب تو سلنڈر کی کہانی عام ہوچکی تھی۔ پھر بھی لوگوں نے اسے زیادہ اہمیت نہ دی۔ دوسرے شہروں اور قصبوں کے لوگوں کو اس کا کچھ پتا نہ تھا۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کھا پی رہے تھے۔ بچے سونے کے لیے چلے گئے تھے۔ نوجوان گلیوں میں گھوم رہے تھے اور طلبہ اپنے مطالعے میں مصروف تھے۔ لوگ اس واقعے کو اس طرح بھول گئے جیسے خلا میں مریخ نام کا کوئی سیارہ ہی نہیں تھا۔ ووکنگ ریلوے اسٹیشن پر حسب معمول ٹرینیں بھی آجا رہی تھیں۔ ہر چیز معمول کے مطابق تھی کہ ایک اخبار بیچنے والے لڑکے نے آواز لگائی :

"مریخی آن پہنچے ہیں"

خاصے لوگوں نے اس خبر کو دل چسپی سے سنا، مگر زیادہ تر نے کوئی اہمیت نہ دی۔ وہاں سے گزرنے والی ٹرینوں کی کھڑکیوں سے مسافروں نے سرسری انداز میں اندھیرے میں دیکھا اور اسے ایک عام سی آتش زنی کا واقعہ سمجھا، مگر اس کے تین سرحدی علاقوں ووکنگ، ہورسل، کوب ہم اور اوٹرشا کے مضافات کے گاؤں میں خاصے مکان جل گئے تھے اور لوگ رات بھر جاگتے رہے۔

پھر مشتعل ہجوم کوب ہم اور ہورسل کو ملانے والے پلوں پر جمع ہو گیا۔ ان میں بہت سے مہم جو بھی تھے۔ یہ لوگ خاموشی سے مریخیوں کے قریب گڑھے تک گئے اور انھیں پھر کسی نے نہ دیکھا۔ پھر تو وقفے وقفے سے سرچ لائٹ کی طرح موت کی شعاع آتی اور کچھ نہ کچھ نقصان کر جاتی۔ ساری رات یہ کھیل جاری رہا۔ لاشوں کے ڈھیر لگتے رہے۔ کچھ لوگوں نے گڑھے میں ہتھوڑا چلانے کی اور کچھ کوٹنے کی آوازیں بھی سنیں۔

مریخیوں کا ایک سلنڈر زمین کے سینے میں اچھی طرح پیوست ہو چکا تھا۔ مگر اس کا زہر ابھی پوری طرح پھیلا نہ تھا۔ صرف اس تھوڑے سے علاقے میں مریخیوں نے تباہی پھیلائی تھی باقی جگہیں ان سے محفوظ تھیں۔ یہاں سے دور دوسرے شہروں' ملکوں اور باقی ساری دنیا میں زندگی معمول کے مطابق تھی۔

ساری رات مریخی اپنے کام میں مصروف رہے اور دنیا کے لوگوں کو تباہ کرنے والی مشینیں تیار کرتے رہے' بغیر تھکے' بغیر آرام کیے۔ کبھی کبھی سبز دھواں فضا میں اوپر اٹھتا اور غائب ہو جاتا۔ ۱۱ بجے رات کو ہورسل کے راستے فوج آن پہنچی اور انھوں نے کامن کے اطراف ناکہ بندی کر دی۔ اس سے پہلے بھی کئی فوجی کامن بھیجے گئے تھے جن میں سے میجر ایڈن کہیں گم ہو گیا تھا۔ فوج کے افسر اعلا نے کوب ہم کے پل میں موجود لوگوں سے کچھ سوال کیے اور آدھی رات تک یہی سب کرتا رہا۔ فوج کو اب احساس ہو چلا تھا کہ یہ معاملہ کس قدر خطرناک ہے۔ رات

کے بعد ووکنگ کے ایک قریبی قصبے کے لوگوں نے آسمان سے ایک تارہ ٹوٹ کر زمین پر گرتے دیکھا۔ وہ جنگل میں گرا تھا۔ اس کے ساتھ سبز روشنی بھی پھیل گئی۔ یہ دوسرا سلنڈر تھا جو مریخ سے زمین پر پھینکا گیا تھا۔

جنگ شروع ہوگئی

اگلا دن بڑا پر تجسس دن تھا۔ رات بھر میں سو نہیں سکا تھا۔ صبح سویرے اٹھ کر ناشتے سے پہلے میں اپنے باغ میں گیا اور کامن کی طرف کان لگا دیے۔ کچھ سنائی نہ دیا۔ دودھ والا معمول کے مطابق آیا۔ اس نے بتایا کہ فوج نے مریخیوں کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے اور یہ کہ بہت جلد توپیں آنے والی ہیں۔

میں نے اپنے پڑوسی کو دیکھا۔ وہ باغ بانی میں مصروف تھے۔ انھوں نے کہا :

"ان لوگوں کو مارنے کے بجائے ان سے دوستی کرنی چاہیے۔ ان سے پوچھا جائے کہ وہ مریخ پر کس طرح رہتے ہیں۔ ان سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔"

پھر انھوں نے مجھے بتایا کہ رات کو بائی فلیٹ کے گولف کے میدان میں ایک سلنڈر اور گرا ہے جس سے بڑی تباہی ہوئی ہے۔ میں نے اسی سمت نظریں دوڑائیں۔ ہر طرف سبز دھواں پھیلا ہوا تھا۔ میرے پڑوسی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ فوج نے اب اس طرح پلان بنایا ہے کہ آج یا تو

وہ مریخیوں کو گرفتار کرلیں گے یا پھر انھیں تباہ کرڈالیں گے۔

صبح کچھ نہیں ہوا۔ میں کامن کی طرف جانا چاہتا تھا مگر فوجیوں نے مجھے روک دیا۔ فوج نے تو ہورسل اور کوب ہم کے گرجا گھروں کے میناروں پر بھی مورچے جما لیے تھے۔ میں نے جن فوجیوں سے بات کی انھیں کچھ پتا نہ تھا۔ ان کے افسران مصروف بھی تھے اور کچھ پراسرار سے بھی۔ ان سے بھی مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ فوج کے آنے سے لوگوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ ہورسل کے لوگوں سے فوج نے کہا تھا کہ وہ اپنے گھروں کو بند کر کے یہاں سے کچھ عرصے کے لیے چلے جائیں۔

میں دوپہر کے کھانے کے لیے دو بجے گھر آیا۔ میں بہت تھک چکا تھا۔ دن بہت گرم تھا۔ تقریباً تین بجے ایک توپ نے گولا باری شروع کر دی۔ میرا اندیشہ تھا کہ یہ گولا باری اس دوسرے سلنڈر پر کی گئی جو کل جنگل میں گرا تھا۔ فوج کا خیال تھا کہ اس سلنڈر کو کھلنے سے پہلے ہی تباہ کر دیا جائے۔ چار بجے میں شام کا اخبار خریدنے اسٹیشن گیا۔ صبح کے اخباروں میں صرف اسٹینٹ‘ اوگلوی اور ہینڈرسن اور دوسرے لوگوں کے مارے جانے کی خبریں شائع کی تھیں مگر میں اور بھی جاننا چاہتا تھا۔ مریخیوں نے اپنے جسم کا ایک انچ حصہ بھی ابھی تک نہیں دکھایا تھا۔ وہ سارا دن اور ساری رات گڑھے میں ٹھونک پیٹ کرتے رہے۔ وہاں سے مسلسل دھواں اٹھتا رہا۔ وہ ایک زبردست حملے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہے تھے۔ اخبارات نے لکھا تھا کہ انتظامات تو فوج نے کر

لیے ہیں مگر ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے۔

مریخیوں کے پہلے گروپ پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑی توپ کوب ہم پہنچا دی گئی تھی۔ فوجیوں اور ان کی توپ کو دیکھ کر لوگوں کے ساتھ میں بھی خوش ہو گیا۔ شام کو چھ بجے میں اپنی بیوی کے ساتھ لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور اس سے موجودہ حالات پر باتیں کر رہا تھا کہ ایک دھماکا ہوا اور پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔ یہ دھماکا کامن کی طرف ہوا تھا۔ پھر کافی قریب سے کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ اور زمین ہلنے لگی۔ میں نے باہر آکر اورینٹل کالج کی طرف دیکھا۔ کالج کے درختوں سے سرخ دھواں اٹھ رہا تھا اور درخت جل بھی رہے تھے۔ کالج کے برابر گرجا کا مینار اچانک زمیں بوس ہو گیا۔ اسی دوران ہمارے گھر کی چمنی اس کی زد میں آگئی اور ٹوٹ گئی۔ فرش پر بہت سی اینٹوں کا ڈھیر جمع ہو گیا۔

میں اور میری بیوی حیران پریشان کھڑے تھے۔ میں نے سوچا کہ گرجے کے مینار کے تباہ ہونے کے بعد میرا گھر بھی خطرے میں ہے۔ فوراً میں نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا اور بھاگتا ہوا سڑک پر آگیا۔ پھر میں اپنی ملازمہ کے گھر پہنچا اور اس سے کہا کہ اس جگہ رہنا اب خطرے سے خالی نہیں۔ اسی وقت کامن میں فائرنگ شروع ہو گئی۔ "مگر ہم جائیں گے کہاں؟" میری بیوی نے خوف سے لرزتے ہوئے پوچھا۔

میں نے ایک لمحے کو کچھ سوچا۔ اچانک مجھے اپنے ایک رشتے کے بھائی یاد آئے جو لیدر ہیڈ میں رہتے تھے۔

"لیدر ہیڈ !" میں نے چیختے ہوئے کہا۔

اس نے نیچے ڈھلان پر نظر ڈالی۔ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر بھاگ رہے تھے۔

"مگر ہم لیدر ہیڈر پہنچیں گے کیسے؟" میری بیوی نے پوچھا۔

"یہیں رکو۔ تم یہاں محفوظ ہو۔" یہ کہہ کر میں تیزی سے باہر نکلا اور اسپاٹڈ ڈاگ نامی ہوٹل کی طرف روانہ ہوا۔ مجھے پتا تھا کہ اس ہوٹل کے مالک کے پاس گھوڑا گاڑی ہے۔ میں اس کی طرف دوڑا۔ میں جانتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد یہاں کا ہر شخص باہر نکلنے کی فکر میں ہو گا۔ ہوٹل کا مالک مجھے مل گیا۔اسے کچھ پتا نہ تھا کیا ہو رہا ہے۔ وہ کسی اجنبی سے کہہ رہا تھا :

"میں ایک پاؤنڈ لوں گا اور میرے پاس کوئی کوچوان بھی نہیں ہے جو گھوڑا گاڑی کو چلائے۔"

میں نے وہاں جاتے ہی کہا :

"میں آپ کو دو پاؤنڈ دوں گا اور میں اسے آدھی رات تک واپس بھی لے آؤں گا۔"

"آخر ایسی کیا آفت ہے؟"

میں نے ہچکچاتے ہوئے اسے بتایا کہ میں اپنا گھر چھوڑ رہا ہوں اور مجھے اس کی گھوڑا گاڑی کی ضرورت ہے۔ وہ فوراً راضی ہو گیا۔ میں نے گھوڑا گاڑی لی اور چل دیا۔ گھر جا کر میں نے کچھ چیزیں لیں۔ پھر پڑوسی کے پاس گیا تاکہ دیکھ سکوں کہ وہ موجود ہیں یا چلے گئے۔ پھر میں

گھر سے صندوق لایا اور بیوی کے برابر رکھ کر خود بھی سوار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس دھوئیں سے باہر نکل آئے۔ اب ہمارا رخ اولڈ ووکنگ کی طرف تھا۔

لیدر ہیڈ' سے بری کی پہاڑی سے کوئی بارہ میل دور ہے۔ دونوں طرف کھیت تھے جن سے خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ جنگلی گلاب بھی خوب کھلے تھے۔ جب ہم ے بری کی پہاڑی سے اتر رہے تھے۔ اس وقت زوردار فائرنگ شروع ہو رہی تھی' لیکن وہ اب رک چکی تھی۔ اب شام بہت خوشگوار اور پرسکون تھی۔ رات نو بجے ہم بخیر و خوبی لیدر ہیڈ پہنچ گئے۔ گھوڑے نے تھوڑا آرام کیا۔ میں نے رات کا کھانا کھایا اور پھر اپنی بیوی کو اپنے بھائی کے پاس چھوڑ کر واپس چلا آیا۔

رات بالکل تاریک تھی۔ گرمی بھی بہت تھی۔ آسمان پر بادلوں کے گہرے سیاہ ٹکڑے تیزی سے آجارہے تھے شاید کوئی طوفان آنے والا تھا۔ راستے میں میں نے دور مغرب کی طرف آسمان پر خون کی طرح سرخ چمک دیکھی جو آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ پھر یہ سرخ چمک اور سیاہ بادل آپس میں مل گئے اور سیاہ بادل اور سرخ دھواں مل کر اور بھی حسین لگنے لگا۔ اچانک ایک سبز روشنی نے میرے سامنے سڑک کو روشن کر دیا اور دور تک کا جنگل مجھے نظر آ گیا۔ میں نے گھبرا کر گھوڑے کی لگا میں کھینچ لیں۔ سبز روشنی نے بادلوں کو منتشر کر دیا تھا۔ اچانک آسمان روشن ہو گیا اور پھر تیسرا سلنڈر ایک روشن تارے کی

طرح فضا سے آتا ہوا میری نظروں کے سامنے میرے بائیں طرف کے کھیتوں میں گر گیا۔

تقریباً اسی وقت بجلی کی چمک اور کڑک کا طوفان آ گیا اور بجلی اس طرح کڑکی جیسے کوئی راکٹ داغا گیا ہو۔ گھوڑا گھبرا کر بھڑک اٹھا اور اس نے بے تحاشا دوڑنا شروع کر دیا۔ ایسی کڑک میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سنی تھی۔ یوں لگا جیسے سیکڑوں دیو ہیکل مشینیں ایک ساتھ چلا دی گئی ہوں۔ تیز چمک اندھا کیے دے رہی تھی اور پھر تیز بارش جو میرے منھ پر پڑی تو رہے سہے اوسان جاتے رہے۔

شروع میں مجھے سڑک صحیح طرح نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر میری توجہ ڈھلان کے مخالف سمت گئی۔ شروع میں وہ مجھے کسی مکان کی بھیگی ہوئی چھت لگی۔ بجلی کی دوسری چمک میں مجھے وہ چھت چلتی نظر آئی۔ بجلی پھر کڑکی۔ اس بار میں نے اس کو بالکل صاف دیکھ لیا۔ اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ آپ کو کس طرح بتاؤں یہ تین ٹانگوں کی ایک بہت بڑی دیو نما چیز تھی۔ اس کی اونچائی کئی منزلہ مکانوں سے بھی زیادہ تھی۔ یہ درختوں کو روندتی چلی آرہی تھی۔ اس کے راستے میں آنے والے مکانوں اور درختوں کی حیثیت چھوٹے چھوٹے کھلونوں کی سی تھی۔ یہ کسی چمک دار دھات سے بنی ہوئی ایک دیو پیکر مشین تھی۔ اس کے اردگرد لوہے کی بنی ہوئی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ اس کے چلنے سے جو شور ہو رہا تھا وہ بھی بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے کم نہ تھا۔ اس کا ایک ایک قدم کئی کئی گز کا تھا۔ پھر میرے سامنے موجود جنگل کے درخت

ٹوٹ گئے اور ان کے درمیان سے دوسری خوفناک مشین نمودار ہوئی۔ لگ رہا تھا یہ سیدھی میری طرف آ رہی ہے۔ اس دوسرے عفریت کو دیکھ کر تو میری روح فنا ہوگئی ۔ میں نے گھبرا کر گھوڑے کی لگامیں اتنی تیزی سے کھینچیں کہ گھوڑے کا سر اوپر اٹھ گیا اور گھوڑا گاڑی گھوڑے پر الٹ گئی ۔ لکڑی کی گاڑی کے پرخچے اڑ گئے اور میں سیدھا جوہڑ میں جا گرا۔ پھر بڑی مشکل سے رینگتا ہوا میں جوہڑ سے باہر نکلا اور اس میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ گھوڑے کی گردن ٹوٹ چکی تھی اور وہ مر چکا تھا۔ اس بار بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ الٹی ہوئی گھوڑا گاڑی کا پہیہ ابھی تک گھوم رہا تھا۔ اسی وقت عفریتی مشین میرے برابر سے گزرتی ہوئی پہاڑی کے اوپر چلی گئی۔

اس دوران میں نے مشین کو غور سے دیکھ لیا۔ وہ واقعی بہت عجیب تھی۔ اگر اسے جدید سائنس کا شاہ کار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ چلتے ہوئے اس دیو نما مشین کا اوپری حصہ جو غالباً اس کا سر تھا' ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ اس کی کمر کے پیچھے کسی مزدور کی طرح کی بالٹی لٹک رہی تھی۔ چلتے ہوئے اس کی پسلیوں کے جوڑوں سے سبز رنگ کا دھواں نکل رہا تھا۔ لمحے بھر میں وہ عفریت میرے سامنے سے غائب ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا ایک اور ساتھی آیا اور پلک جھپکتے وہ بھی میرے سامنے سے گزر گیا۔ اب دونوں تقریباً آدھے میل دور میدان میں کسی چیز پر جھکے ہوئے تھے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھی ایک سلنڈر تھا جو مریخ سے زمین کی طرف فائر کیا گیا تھا۔

مشینی دیو

کچھ منٹ تک میں وہیں پڑا ہوا بارش میں بھیگتا رہا اور ان دھاتی عفریتوں کو دیکھتا رہا جو برابر بجلی چمکنے کی وجہ سے مجھے نظر آ رہے تھے۔ اب میں نے سوچا کہ کسی خشک جگہ چلائے جائے' کیوں کہ بارش بھی ہو رہی تھی اور میں جوہڑ کے کنارے تھا اور خاصی تکلیف میں تھا۔

مجھ سے تھوڑے فاصلے پر لکڑی کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی ہٹ تھی جس کے چاروں طرف ٹماٹر کا باغ تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کھڑا کیا اور پھر جھکے جھکے اس ہٹ کی طرف دوڑا۔ میں نے اس ہٹ کے دروازے پر دستک دی' مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ شاید اندر کوئی تھا ہی نہیں۔ میں نے دستک دینی بند کر دی۔ میں نے وہیں ایک گڑھا دیکھا اور پھر رینگتا ہوا اس میں چلا گیا۔ یہاں سے میں بے بری کے جنگل میں آسانی سے جا سکتا تھا جہاں اس خوفناک مریخی عفریتوں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ گھنے درختوں کے نیچے میں اطمینان سے چلنے لگا۔ سردی سے میری حالت بری ہو رہی تھی اور بھیگنے کی وجہ سے میں ٹھٹھر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ میں اپنے گھر کی طرف چلنے لگا۔ جنگل میں گھپ

اندھیرا تھا۔ اب بجلی زیادہ نہیں چمک رہی تھی، مگر موسلادھار بارش کی وجہ سے آگے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

میں نے کچھ دیر پہلے جو کچھ دیکھا تھا اس کے بعد مجھے فوراً بیوی کے پاس چلا جانا چاہیے تھا، مگر ایک تو حالت غیر، اوپر سے میں بارش میں بھیگا ہوا، راستہ بھی کٹھن ایسے میں اس کے علاوہ اور کوئی بات ذہن میں نہیں آرہی تھی کہ کسی طرح اپنے گھر پہنچ جاؤں۔

میں درختوں کے بیچ میں دوڑتا رہا اور پھر میں گر پڑا۔ میرے گھٹنے بھی زخمی ہوگئے، مگر میں نے ہمت نہیں ہاری اور آخر کار اپنے گھر کا راستہ تلاش کر لیا۔ طوفانی بارش کی وجہ سے پہاڑوں سے ریت اور مٹی بہ بہ کر آرہی تھی جس نے راستے کو مشکل بنا دیا تھا۔ دوڑتے دوڑتے میں اندھیرے میں کسی سے ٹکرا گیا اور نیچے گر پڑا۔ ٹکرانے والا زور سے چیخا اور اندھا دھند بھاگتا چلا گیا۔ میں نے اسے بہت آوازیں دیں، مگر وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ اب مجھے پہاڑی پر چڑھنا تھا۔

پہاڑی کی چوٹی کے قریب میں کسی چیز پر گر پڑا۔ یہ نرم نرم سی چیز تھی۔ اسی وقت بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ وہ سیاہ کپڑوں کی ایک گٹھری تھی اور جوتوں کی ایک جوڑی۔ بس بجلی کے چمکنے سے میں یہی دیکھ سکا۔ یہ کوئی آدمی تھا۔ میں اس کے پاس رک گیا اور دوبارہ بجلی کے چمکنے کا انتظار کرنے لگا۔ بجلی چمکی تو میں نے دیکھا وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا جس نے اپنے سر کو دونوں ٹانگوں کے بیچ میں گھسا رکھا تھا۔ شاید اس نے کوئی بہت دہشت ناک منظر دیکھ لیا تھا اور اسے دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا

تھا۔

میں نے اسے سیدھا کیا اور اس کے دل کی دھڑکن سننے لگا۔ وہ مر چکا تھا۔ اس کی گردن ٹوٹ چکی تھی۔ بجلی پھر چمکی تو میں نے دیکھا کہ وہ اسی ہوٹل کا مالک تھا جس سے میں نے گھوڑا گاڑی کرائے پر لی تھی۔ میں افسوس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ پہاڑی کے دوسری طرف سرخ اور سیاہ چمک دار دھواں پھیل رہا تھا۔ میرے چاروں طرف تمام مکانات صحیح سلامت تھے۔ اور سامنے ایک طویل سڑک تھی۔ میں اس پر چل پڑا۔ جب میں ے بری کے پل کے قریب پہنچا تو مجھے قدموں کی آوازیں آئیں۔ میں تھک کر بیٹھ گیا۔ نہ میرے حلق سے آواز نکلی کہ میں انھیں چیخ کر اپنی طرف متوجہ کرتا اور نہ خود آگے بڑھ سکا۔

چلتے چلتے میں کسی نہ کسی طرح میں اپنے گھر پہنچ ہی گیا۔ میں نے تیزی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ راستے میں ملنے والے مشینی دیوؤں اور مردہ انسان کا خوف ناک منظر ابھی تک میرے ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ میں اوپر کے کمرے میں پہنچ گیا اور بوجھل دل کے ساتھ ایک طرف پڑ گیا۔ میرے ہاتھ پاؤں ابھی تک لرز رہے تھے اور دل لگ رہا تھا کہ پسلیاں توڑ دے گا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ میں بری طرح بھیگا ہوا ہوں اور مجھے بہت سردی لگ رہی ہے۔ میرے لیٹنے سے قالین بھی بھیگ گیا تھا۔ میں نے ہمت کی اور کپڑے بدلے۔ پھر ایک کپ گرم کافی کا پیا تو حالت کچھ بہتر ہوئی۔ اس کے بعد میں اپنے اسٹڈی روم میں گیا اس کی کھڑکی

سے درختوں کے پار ریلوے اسٹیشن نظر آ رہا تھا۔ ہم اتنی جلدی اور گھبراہٹ میں گھر سے گئے تھے کہ اس کھڑکی کو کھلا چھوڑ گئے تھے۔ بجلی اور کڑک کا طوفان ختم ہو چکا تھا۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا۔ اورینٹل کالج کے ٹاور اور اس کے اطراف کے درخت اب وہاں نہیں تھے اور اب کامن اور سینڈس پٹ آگ کی روشنی میں صاف نظر آ رہے تھے۔ اس روشنی میں بڑے بڑے دیو ہیکل ہیولے ادھر ادھر پھرتے نظر آ رہے تھے۔

لگ رہا تھا اس طرف کا سارا حصہ جل رہا ہے۔ اسی وقت کھڑکی کے آگے سے دھواں گزرا اور منظر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ مریخی عفریت کیا کر رہے تھے۔ فضا میں جلنے کی بو رچی ہوئی تھی۔ میں کھڑکی کے اور قریب آگیا اور غور سے دیکھنے لگا۔

اب منظر زیادہ واضح ہو گیا تھا۔ ایک طرف ووکنگ اسٹیشن کے ساتھ مکانوں کی قطار تھی اور دوسری طرف جنگل تھا جو بالکل جل چکا تھا۔ اس کے ساتھ جو مکان تھے وہ تباہ ہو چکے تھے۔ اسی وقت ایک ٹرین وہاں سے گزرتی نظر آئی۔

سات گھنٹوں میں بہت کچھ تباہ ہو گیا تھا۔ میری نظریں سینڈس پٹ پر موجود ان مریخی بلاؤں پر جمی رہیں جو بڑی تیزی سی کام میں مصروف تھیں۔ پتا نہیں وہ کیا کر رہی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ یہ لوہے کے روبوٹ ہیں یا پھر ان کے اندر مریخی مخلوق بیٹھی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

مجھے نہیں یاد کہ میں کتنی دیر تک کھڑکی کے پاس بیٹھا رہا۔ صبح ہونے کو تھی کہ کوئی میرے گھر کے باغیچے میں داخل ہوا۔ وہ ایک فوجی تھا اور احاطے سے کود کر اندر آیا تھا۔

"کوئی ہے؟" فوجی نے آہستہ سے آواز دی۔ وہ اوپر ہی دیکھ رہا تھا۔

"کون ہو تم اور کہاں جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"پتا نہیں میں کہاں جا رہا ہوں!"

"کیا تمھیں پناہ چاہیے؟"

"جی ہاں !"

"اوپر چلے آؤ۔"

میں نے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا اور وہ اندر آگیا۔ میں نے دوبارہ تالا لگا دیا۔ اس کی ٹوپی نہیں تھی اور کوٹ کے بٹن بھی کھلے ہوئے تھے۔

"کیاہوا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"انھوں نے تو ہمارا صفایا کر دیا، مکمل صفایا۔"

میں نے اسے گرم گرم کافی پیش کی۔ وہ پینے لگا۔ اچانک اس نے اپنا منھ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے اس کی حالت سنبھلی تو اس نے اپنی کہانی سنائی :

جس وقت مریخی اپنے دوسرے سلنڈر کی طرف جا رہے تھے تو اس

فوجی کی توپ گاڑی نے ان پر فائرنگ شروع کی تھی۔ ان مریخی دیووں نے اپنے آپ کو فولادی ڈھالوں میں چھپا رکھا تھا۔ پھر ان کی یہ ڈھالیں فائرنگ مشینیں بن گئیں۔ اسی وقت اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور یہ گر پڑا۔ اس دوران فوجیوں نے پیچھے سے دوسری توپ گاڑی سے فائرنگ شروع کر دی جس کی زد میں بہت سے لوگ آ گئے اور یہ فوجی مردہ انسانوں میں دب کر زندہ رہ گیا۔ فائرنگ سے مشینی عفریت گر پڑے، مگر پھر اٹھ گئے اور پہلے کی طرح گھومنے پھرنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں کیمرے جیسے بکس نظر آئے جن سے انھوں نے شعاعوں کی بارش کر دی اور چند لمحوں میں سب کا صفایا ہو گیا۔ اتنی خاموشی سے کہ پتا ہی نہیں چل سکا۔ ہر جھاڑی، ہر درخت جل اٹھا۔ شہر کے خاصے مکان جل گئے۔ اس کے بعد مشینی دیو دوبارہ اپنے سلنڈر کی طرف چل دیے۔ دراصل وہ نئے مشینی دیو تیار کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے وہ جان بچا کر وہاں سے بھاگا اور بھوکا پیاسا تھا کہ میرے گھر پہنچ گیا۔ اس فوجی نے یہ بھی بتایا کہ بے شمار لوگ خندقوں، گڑھوں اور تہ خانوں میں چھپے ہوئے ہیں۔

یہ کہانی تھی اس فوجی کی۔ میں نے اسے کھانا کھلایا اور پھر دونوں اسٹڈی روم میں آ کر بیٹھ گئے اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ ایک ہی رات میں یہ خوب صورت اور حسین وادی راکھ اور مٹی کا ڈھیر بن چکی تھی۔ صبح کی روشنی میں ہر طرف ملبے کے ڈھیر اور جلے ہوئے مکان نظر آ رہے تھے۔ قبرستان کا سا منظر تھا۔ سینڈس پٹ پر موجود تین مشینی دیو

اب اور بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ ادھر ادھر گھوم کر اس بربادی کا جائزہ لے رہے تھے جو انھوں نے پھیلائی تھی۔

جب دن کی روشنی خاصی پھیل گئی تو ہم کھڑکی سے ہٹ گئے اور خاموشی سے نیچے آئے۔ میرا ارادہ تھا کہ یہاں سے سیدھا اپنی بیوی کے پاس جاؤں گا اور اسے ساتھ لے کر یہ ملک ہی چھوڑ دوں گا، کیوں کہ میرے خیال میں اس ملک کو مریخیوں نے اپنے لیے منتخب کر لیا تھا اور اب یہاں انسانوں کے رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ راستے میں بھی مریخی اور ان کا سلنڈر موجود تھا۔ میں اکیلا ہوتا تو ضرور چلا جاتا، مگر یہ فوجی بھی اب میرے ساتھ تھا اور مجھے جانے نہیں دے رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ بیوی سے محبت نہیں ہے بلکہ اسے بیوہ کرنے کی کوشش ہے۔ پھر اس کے کہنے پر میں راضی ہو گیا کہ جنگل کے راستے وہاں سے لمبا چکر کاٹ کر جاؤں گا۔

چلنے سے پہلے میں نے ایک بوتل دودھ سے بھر لی اور ہم دونوں نے بسکٹ اور گوشت کے پیکٹ اپنی تمام جیبوں میں بھر لیے۔ پھر ہم احتیاط سے باہر نکلے اور سڑک پر دوڑنے لگے۔ راستے میں جو منظر ہم نے دیکھے وہ بیان نہیں کر سکتے۔ ہر طرف تباہی، بربادی تھی۔ لاشیں تھیں۔ کھنڈر تھے۔ لگ رہا تھا ے بری میں ہمارے سوا کوئی زندہ نہیں ہے۔

کچھ دیر بعد ہم پھر سڑک پر تھے، مگر اس طرح کہ ہم درختوں کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے تاکہ خطرے کے وقت بھاگ کر درختوں میں چھپ جائیں۔ اسی سفر کے دوران ہمیں گھڑسوار فوجی ملے جو آہستہ آہستہ

ووکنگ کی طرف جا رہے تھے۔ ہم نے ان کو آواز دی۔ ان کے افسر نے حیرت سے ہمیں دیکھا۔ اس کا کہنا تھا کہ صبح سے ہم نے جن پہلے زندہ انسانوں کو دیکھا ہے وہ تم ہو۔ میرے ہم سفر فوجی نے اچانک اس کے سامنے آ کر اسے سلامی دی۔ وہ اسی کا افسر تھا۔ پھر افسر نے میرے ہم سفر فوجی سے کچھ سوال کیے۔ اس کے جواب سن کر اس کا افسر حیران رہ گیا۔ پھر اس نے ہم سے کہا کہ وے برج پر بریگیڈ جنرل مارون موجود ہیں' ان کو ساری بات بتا کر جانا۔ ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور جنگل کے اندر چل دیے۔

بائی فلیٹ اسٹیشن کے قریب ہم جنگل سے باہر نکل آئے۔ صبح کی خوشگوار اور فرحت بخش ہوا چل رہی تھی۔ ہر طرف سکون اور امن تھا۔ موت کی شعاع یہاں تک نہیں پہنچی تھی۔ ریلوے پل پر فوجیوں کا دستہ کھڑا تھا۔ یہاں کے لوگ بھی شہر چھوڑ کر جا رہے تھے۔ بہت سی بیل گاڑیاں اور گھوڑا گاڑیاں لدی پھندی چلی جا رہی تھیں۔ پل پر چھ بڑی توپیں لگائی گئی تھیں جن کے رخ ووکنگ کی طرف تھے۔ ان کے ساتھ فوجی تیار کھڑے تھے۔ کچھ فاصلے پر گولا بارود سے بھری گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھے۔ وے برج کے دوسری طرف فوجیوں نے ایک پشتہ بنا لیا تھا جس کے ساتھ کئی توپیں نصب کی جا چکی تھیں۔ میرے ساتھی نے بتایا کہ یہ توپیں مریخیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ ہر شخص کی نظریں ووکنگ کی طرف تھیں۔ ہمیں جنرل مارون نہیں مل رہے تھے۔ وہاں گاڑیوں کا ہجوم تھا۔ ہر شخص بھاگ رہا تھا۔ ایک

فوارے کے پاس بیٹھ کر میں نے اور میرے ساتھی نے کھانا کھایا۔ وہاں فوجی سب کو بار بار خبردار کر رہے تھے کہ خندقوں یا تہ خانوں میں چھپ جائیں' کیوں کہ فائرنگ شروع ہونے والی ہے۔ ہم آگے بڑھے تو دیکھا کہ ریلوے اسٹیشن کے اندر اور باہر لوگوں کا ہجوم ہے۔ پلیٹ فارم پر صندوقوں' اٹیچی کیسوں اور دوسرے سامان کا ڈھیر لگا تھا۔

دوپہر تک ہم شیپرٹن لاک پہنچ گئے جہاں دریائے وے اور دریائے ٹیمز آپس میں ملتے ہیں۔ یہاں ایک کھاڑی بھی ہے۔ شیپرٹن کی طرف ایک ہوٹل تھا جس کا لان بہت بڑا تھا اور شیپرٹن کے ٹاور کے پار چرچ بھی تھا جس کے چاروں طرف درخت تھے۔ دریائے ٹیمز کے پاس سوائے اس جگہ کے جہاں کشتیاں پڑی تھیں' ہر طرف ایک چہل پہل تھی۔ ایک بڑی کشتی سے ابھی بہت سے لوگ اتر کر دوسری طرف گئے تھے۔ ہوٹل میں فوجی پہرا دے رہے تھے۔ اسی وقت ایک دھماکا ہوا۔ یہ توپ داغے جانے کی آواز تھی۔

جنگ شروع چکی تھی۔ ایک کے بعد ایک توپ چل رہی تھی۔ مسلسل اور شدید گولا باری ہو رہی تھی۔ پھر دریا کے دوسری طرف سے دھوئیں کا ایک گہرا بادل اٹھا۔ پھر ہمارے پیروں کے نیچے زمین ہلتی محسوس ہوئی اور فلک شگاف دھماکا ہوا۔ سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس کے ساتھ ہی کسی کی چیخ سنائی دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک' دو' تین چار مسلح مریخی نمودار ہوئے۔ وہ درختوں کے اوپر تک دور سے نظر آ رہے تھے۔ ان کا رخ دریا کی طرف تھا اور رفتار خاصی تیز تھی۔ پھر

ہماری دوسری طرف سے پانچواں مریخی نمودار ہوا گویا انھوں نے دونوں طرف سے حملہ کیا تھا۔ ان کے ہتھیار بند فولادی جسم چمک رہے تھے۔ پھر ایک مشینی دیو نے موت کی شعاع پھینکی۔ یہ دیکھ کر دریا کے کنارے موجود لوگ الٹے دوڑے۔ میرے ذہن میں بس ایک ہی بات تھی کہ اگر موت کی شعاع سے محفوظ رہنا ہے تو پانی کے اندر چھپ جانا چاہیے۔

"سب لوگ پانی کے اندر چلے جائیں۔ دریا میں کود جائیں۔" میں چلایا۔

میں مڑا اور دریا کی طرف دوڑا۔ دوسرے لوگوں نے بھی یہی کیا۔ میں کوئی بیس فیٹ تک پانی میں دوڑتا چلا گیا۔ وہاں پانی زیادہ گہرا نہیں تھا۔ جیسے ہی پہلا مریخی میرے قریب آیا میں نے غوطہ لگایا لوگ برابر پانی میں چھلانگیں لگا رہے تھے۔ لگ رہا تھا مریخیوں کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں نے سر پانی سے نکال کر دیکھا۔ ایک مریخی اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کیمرے نما بکس سے موت کی شعاعوں کی بارش کر رہا تھا۔ پھر وہ دریا میں اتر گیا۔ اگلے لمحے وہ دریا کے بیچوں بیچ تھا۔ گاؤں کے دوسری طرف درختوں کی آڑ میں جو توپیں چھپا کر رکھی گئی تھیں انھوں نے اچانک گولا باری شروع کر دی۔ مریخی ان کی زد میں آ گیا اور اس کا جسم لڑکھڑا گیا۔ میں نے خوشی کا نعرہ مارا کیوں کہ مریخی کا سر اڑ گیا تھا اور اس کے جسم کے درجنوں فولادی ٹکڑے دریا کے پانی میں گر گئے تھے۔ دوسرے لوگوں نے بھی فتح کا نعرہ لگایا۔ ابھی مریخی کا آدھا جسم سلامت تھا اور کسی شرابی کی طرح پانی میں لڑکھڑا رہا تھا۔ پھر وہ پانی میں

گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی زور دار دھماکا ہوا۔ پانی سیکڑوں فیٹ ہوا میں اچھلا۔ پھر پانی ابلنے لگا۔ لوگ چیخیں مار کر دریا سے باہر نکلنے لگے۔ میں بھی باہر نکلنے کی جدوجہد کرنے لگا۔ اس کی فولادی پسلیوں سے دھواں نکل رہا تھا جس نے پانی کو گرم کر دیا تھا۔ اس کے آکٹوپس کی طرح لہراتے بل کھاتے بازو ابھی تک ہل رہے تھے اور ایک رقیق سا گاڑھا مادہ اس کے جسم سے نکل کر پانی میں گر رہا تھا۔ اسی وقت ایک آدمی چیخا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ کچھ اور مریخی ادھر آ رہے تھے۔ توپیں ابھی تک آگ اگل رہی تھیں مگر یہ مریخی ان کی زد میں نہ آئے۔

میں نے سانس روکا اور دوبارہ پانی کے اندر چلا گیا۔ پانی گرم سے گرم تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ آخر میں نے سانس لینے کے لیے سر باہر نکالا۔ ایک مریخی اپنے ساتھی کا جائزہ لے رہا تھا جو پانی میں پڑا تھا۔ تین دریا کے باہر کھڑے تھے۔ وہ ان سے ذرا دور تھے۔

پھر انھوں نے موت کی شعاعیں ہر طرف پھینکنی شروع کیں۔ کافی دور سے چیخ و پکار سنائی دی۔ شاید ان کی زد میں لوگ آ گئے تھے۔ تباہی پھر شروع ہو گئی۔ مکان، درخت، انسان، جانور سب پر مصیبت آ گئی تھی۔ ہر طرف سیاہ دھواں پھیل گیا۔

میں ایک لمحے تک تو ابلتے ہوئے پانی میں گردن تک ڈوبا کھڑا رہا۔ پھر میں نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو اب کنارے کی طرف تیر رہے تھے۔ اچانک ہی موت کی شعاعیں سر پر سے گزری میری نظروں کے سامنے وہ تمام مکان صفحہ ہستی سے مٹ گئے جن پر شعاع پڑی تھی۔ پھر

اس شعاع نے بھاگتے ہوئے لوگوں کو شکار کرنا شروع کر دیا۔ میں بھی کنارے کی طرف تیر رہا تھا کہ ابلتے پانی کی لہر نے مجھے آ لیا۔ تکلیف کی شدت سے میرے چیخیں نکل گئیں۔ پھر میں لڑکھڑا کر پانی میں گرا۔ مریخیوں کی فولادی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ میرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ ایک مریخی اپنے فولادی قدموں سے پانی اچھالتا ہوا میری طرف بڑھ رہا تھا، مگر وہ مجھ پر توجہ دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ پھر اس کے دو ساتھی اور بھی پانی میں آئے۔ اب میں سمجھ گیا۔ دراصل وہ اپنے ضائع شدہ ساتھ کو لے جانے آئے تھے۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں بچ گیا۔

لندن کی طرف

مریخی واپس سینڈس پٹ پہنچ گئے۔ انھیں پتا چل چکا تھا کہ ہمارے زمینی ہتھیار بھی ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ واپسی میں انھوں نے کسی کی طرف دھیان نہ دیا۔ بس اپنے ساتھی کے ٹکڑے سمیٹ کر چلے گئے۔

مریخ سے سلنڈروں کے آنے کا سلسلہ جاری تھا۔ برابر مریخی آ رہے تھے۔ فوج بھی متحرک ہوگئی تھی۔ ان کا مقابلہ زبردست دشمن سے تھا۔ اس پورے علاقے میں بے شمار توپیں اور ٹینک نصب کیے جا چکے تھے۔ فوجی، سپاہی، اسکاؤٹس عام شہری غرض ہر شخص اس دشمن سے مقابلے کے لیے تیار تھا۔ سلنڈروں کے درمیان مریخیوں کی آمدورفت جاری تھی۔ وہ برابر کام کر رہے تھے جس کی وجہ سے میلوں دور تک سبز دھواں پھیلا ہوا تھا۔

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا ادھر میں نے لندن کا رخ کیا۔ میں نے ایک خالی کشتی پکڑی اور اس میں سوار ہوگیا۔ کشتی میں چپو بھی نہیں تھے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے ہی چپوؤں کا کام لیا۔ میں کسی بھی طرح

اس خوف ناک جگہ سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ میری رفتار ست تھی چوں کہ میں آس پاس کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ تھک کر میں لیٹ گیا اور کشتی خود بخود بہتی رہی۔ پھر خوف مجھ پر طاری ہوگیا اور میں نے دوبارہ کشتی کو ہاتھوں سے کھینا شروع کر دیا۔

پانچ بجے کے قریب میں مڈل سیکس پہنچا اور تھک کر کنارے پر لیٹ گیا۔ پھر آدھا میل کا سفر میں نے پیدل طے کیا۔ راستے میں کئی جگہ مجھے رکنا پڑا۔ اس دوران میں دیوانگی کی حالت میں بڑبڑانے بھی لگا۔ بھوک پیاس نے الگ نڈھال کر دیا تھا۔ پھر میں سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میرے پاس کوئی بیٹھا ہے۔ وہ آسمان کو تک رہا تھا۔ میں اٹھا تو اس نے میری طرف دیکھا۔ لباس سے میں نے اسے پہچانا۔ وہ ایک پادری تھا۔ میں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے کہا :

”میرے پاس پانی نہیں ہے اور تم آدھے گھنٹے سے سوتے میں پانی مانگ رہے ہو۔“

میں خاموش ہوگیا۔ وہ بڑبڑاتا رہا اور دنیا والوں کو برا بھلا کہتا رہا کہ یہ سب ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ قیامت قریب ہے۔ ہمارے اعمال کا بدلہ ہمیں ملے گا، ضرور ملے گا۔

میں نے اس کو تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہاں سے چلو ہم خطرے میں ہیں۔ ہمارے پیچھے مریخی ہیں اور سامنے توپیں جنھیں لندن کو بچانے کے لیے لگایا ہے۔ ہم دونوں وہاں سے چل پڑے۔

میں اور پادری ہیلی فورڈ پہنچے تھے کہ مریخیوں نے ایک بار پھر حملہ کر دیا۔ ہمیں بعد میں پتا چلا کہ تین مریخیوں نے سینڈس پٹ سے باہر آکر تباہی مچائی ۔ وہ ایک قطار میں وے برج کی طرف بڑھے تھے۔ وہ آپس میں عجیب انداز سے باتیں کر رہے تھے۔ لگ رہا تھا بادل کڑک رہے ہیں۔ یہی کڑک ہم نے ہیلی فورڈ میں سنی تھی۔ ایک قصبے میں ناتجربہ کار اسکاؤٹس نے ان مریخیوں پر فائر کھول دیا اور جب اس کا کوئی نتیجہ نہ دیکھا تو پلٹ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مریخیوں نے انکی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ ان کی توپوں کے قریب آکر ان کا جائزہ لیا اور پھر انھیں تباہ کر دیا۔

ایک قصبے میں ایک مریخی پر جب توپوں سے گولے برسائے تو وہ گر پڑا۔ اس نے شور مچایا تو اس کا ساتھی مدد کو آن پہنچا اور اس نے موت کی شعاع سے توپیں تباہ کر ڈالیں۔ وہاں موجود اسکاؤٹس کا کہنا ہے کہ جب یہ مریخی زمین پر گرا تو اس میں سے مینڈک کی طرح کی کوئی مخلوق رینگ کر باہر نکلی۔ اس نے اپنے مشینی جسم کی مرمت کی اور دوبارہ اس میں واپس چلی گئی۔ اس کے بعد مشینی دیو واپس روانہ ہوا۔

اسی رات چار پانچ مریخی پھر نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں سیاہ ٹیوبیں سی تھیں انھوں نے سینٹ جارج کی پہاڑی کے گرد گھیر ڈال دیا۔ وہ جیسے ہی آگے بڑھے ان پر راکٹ فائر کیے گئے۔ وہ آگے بڑھتے ہی رہے ۔ دو کو میں نے اور پادری نے بھی دیکھا۔ پادری گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نہ بھاگا بلکہ مڑ کر لمبی گھاس میں چھپ گیا۔ پادری بھی میرے

پاس آگیا۔

دونوں مریخی وہاں کھڑے سامنے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر ان کے باقی ساتھی بھی آن پہنچے اور انھوں نے گھیرا سا بنالیا۔ اس کے بعد سامنے سے توپوں نے گولے برسانے شروع کردیے۔

مریخیوں نے اپنی ٹیوبیں سنبھالیں اور ان سے فائر کیے۔ ایک زبردست دھماکا ہوا۔ زمین ہمارے قدموں کے نیچے سے کھسکنے لگی۔ نہ کوئی شعلہ نکلا' نہ دھواں بس ایک دھماکا سا ہوا۔ میں بے قرار ہو کر گھاس سے باہر نکل آیا اور سن بری کی طرف دیکھنے لگا اس بات سے بے پروا ہو کر کہ میری جان خطرے میں ہے۔ اسی وقت ایک اور دھماکا ہوا اور کوئی چیز زن سے میرے سر پر سے گزری۔ میں انتظار کرتا رہا کہ جہاں یہ گری ہے وہاں سے دھواں اٹھے گا' آگ لگے گی' مگر کچھ نہ ہوا۔ کوئی آواز تک نہ ہوئی۔

میں اور پادری مریخیوں کو دیکھ رہے تھے جو بڑی تیزی سے دریا کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں منتظر تھا کہ ابھی توپ کا کوئی گولا آئے گا اور ان کے ٹکڑے ہوا میں بکھر جائیں گے' مگر کچھ نہ ہوا۔ مریخی آگے جاتے رہے یہاں تک کہ وہ اندھیرے میں غائب ہوگئے۔ ہم دونوں اور اونچائی پر چڑھ کر سامنے دیکھنے لگے۔ اچانک اندھیرے میں ایک چھوٹی سی پہاڑی وہاں نمودار ہوگئی اور پھر اس سے کچھ فاصلے پر ایک اور حرکت کرتی ہوئی پہاڑی نظر آئی۔ میں نے مڑ کر شمال کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی کئی پہاڑیاں حرکت کرتی نظر

آئیں۔ ان سب متحرک پہاڑیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد مریخیوں کا آپس میں باتیں کرنے کا شور دوبارہ سنائی دیا۔ اور ہمارے تلے زمین ہلنے لگی' مگر ہمارے توپچیوں نے اس کا جواب نہ دیا۔

یہ پہاڑیاں درحقیقت وہ ڈرم تھے جو مریخیوں نے اس جگہ پھینکے تھے جہاں سے ان پر فائرنگ کی گئی تھی۔ ان کے گرتے ہی گہری گاڑھی لہراتی بل کھاتی دھند اوپر اٹھتی تھی جس سے یہ لگتا کہ کوئی پہاڑی نمودار ہوگئی ہے۔ اور اس دھند میں سانس لینے کا مطلب تھا "موت۔"

اسی وقت ایک اور سلنڈر بشی پارک پر گرا اور اس پر ہمارے توپچیوں نے گولا باری شروع کر دی۔ مریخی بڑی تیزی سے اس قاتل دھند کو ہر طرف پھیلا رہے تھے اور آگے بڑھ رہے تھے۔ اس رات مریخیوں نے موت کی شعاعوں کو زیادہ استعمال نہیں کیا بلکہ قاتل دھند سے کام لیتے رہے۔ شاید وہ اس ملک کو تباہ نہیں کرنا چاہتے تھے صرف لوگوں کو ڈرانا اور خوف زدہ کرنا چاہتے تھے وہ کہ ان کے راستے میں نہ آئیں۔ مایوسی بڑھتی جارہی تھی۔ توپیں بھی ان کے آگے بے بس تھیں۔

پھر ایشر کی طرف مریخیوں نے قاتل دھند سے بھرا ہوا ایک اور ڈرم پھینکا۔ وہاں کی خوف زدہ آبادی اس وقت بھاگ رہی تھی کہ دھند نے انھیں آلیا اور پھر کچھ باقی نہ رہا۔ پہلے کچھ چیخیں بلند ہوئیں اور پھر موت کا سناٹا ہر طرف چھا گیا۔

صبح ہونے سے پہلے قاتل دھند نے رچمنڈ کی گلیوں پر حملہ کر دیا۔ آخر لندن کے لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر زندہ رہنا ہے تو یہاں سے چلا جانا ہوگا۔

لندن شہر میں خوف و ہراس پھیل چکا تھا۔ ہر شخص مریخیوں کے آنے سے پہلے وہاں سے نکل بھاگنے کے چکر میں تھا۔ ریلوے اسٹیشن پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس ہجوم کو پولیس بھی کنٹرول نہیں کر پا رہی تھی۔ ٹرین میں سوار ہونے کی دھن میں خاصے لوگ زخمی ہوگئے تھے۔ ٹرین کے انجن ڈرائیوروں نے لندن آنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر پہلا مریخی لندن کے قریب نظر آیا اور اس کے ساتھ قاتل دھند کا پہلا بادل بھی نمودار ہوگیا۔ لوگوں کی امیدیں ختم ہوگئیں۔ دریائے ٹیمز کے اوپر دھند چھا گئی جو آہستہ آہستہ بڑھتی جارہی تھی۔ جنوب میں نیلی پہاڑیوں پر مریخی نظر آئے جو تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور شہر کو لوگوں سے خالی کرا کے، انھیں قاتل دھند سے موت کی نیند سلا کر یا ڈرا کر بھگا کر اس کو فتح کر رہے تھے۔ انھوں نے بارود کے ذخیرے تباہ کردیے۔ ٹیلی فون لائنیں کاٹ ڈالیں اور ریلوے کی لائنیں اکھاڑ دیں۔

اس دن وہ لندن کے مرکزی حصے سے آگے نہ بڑھے، اس لیے خاصے لوگ لندن میں موجود رہے اور اپنے گھروں میں چھپے رہے۔ لندن میں غذا کی کمی ہو گئی تھی اور لوگ بھوکوں مر رہے تھے۔ حکومت نے اعلان کیا کہ رات کو آٹا اور روٹی تقسیم کی جائے گی۔ اسی رات ایک

اور سلنڈر پرائم روز کی پہاڑی پر گرا۔

میں اور پادری ہیلی فورڈ میں قاتل دھندے سے بچنے کے لیے ایک خالی مکان میں چھپے رہے۔ اس رات اور اگلے دن تک ہم چھپے رہے۔ ہمارے چاروں طرف سیاہ قاتل دھند تھی۔ ہم انتظار کرتے رہے۔ دن صدیوں میں بدل گئے تھے۔ میں اپنی بیوی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اس کا کیا حال ہو گا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ اب تک مر نہ گئی ہو۔ میں دعا کر رہا تھا کہ مریخی لندن سے چلے جائیں تاکہ میری بیوی خطرے سے محفوظ ہو جائے۔

ادھر پادری کی باتوں نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ تنگ آکر میں اوپر کے کمرے میں چلا گیا اور اندر سے تالا لگا لیا۔ اگلے دن رات کو برابر کے مکان میں کسی کے چلنے پھرنے اور دروازہ کھولنے بند کرنے کی آوازیں آئیں۔ مجھے متحرک روشنیاں بھی دکھائی دیں، مگر میں اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اگلے دن صبح کو سیاہ دھند اور قریب آنے لگی۔ اس کا رخ اب اسی مکان کی طرف تھا جہاں ہم چھپے ہوئے تھے۔ دوپہر کو کھیتوں کے ساتھ ساتھ ایک مریخی ادھر آیا۔ اس کے ہاتھوں میں جو ہتھیار تھا اس سے گرم گرم بھاپ نکلتی تھی۔ یہ بھاپ جس جگہ پڑتی تھی وہ جگہ غائب ہو جاتی۔ ایک بار تو پادری کا ہاتھ بھی اس دیوار پر پڑنے سے جل گیا جہاں سے وہ بھاپ گزری تھی۔ مگر اس گرم بھاپ نے فضا میں چھائی ہوئی قاتل دھند کو خاصا کم کر دیا تھا۔ باہر موسم خاصا تبدیل ہو چکا تھا۔ لگ رہا تھا سیاہ آندھی کا طوفان یہاں سے گزر چکا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ

اب باہر نکلیں اور کسی اور پناہ گاہ کو تلاش کریں، مگر پادری نہ مانا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم یہیں ٹھیک ہیں، مگر میں کھڑا ہوگیا اور باہر کی طرف چل دیا۔ ناچار پادری بھی میرے پیچھے چلا آیا۔ ہمارا رخ اب سن بری جانے والی سڑک کی طرف تھا جو دھند کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی۔

سن بری میں ہمیں بہت سی لاشیں ملیں جن میں انسانوں کی لاشیں بھی تھیں اور گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں کی بھی۔ گھوڑا گاڑیاں، بیل گاڑیاں اور دوسری چیزیں سیاہ دھند کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھیں۔ ہم ہمپٹن کورٹ پہنچے۔ پھر ہم بشی پارک سے گزرے۔ درختوں کے نیچے ہرن بھاگ رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر ہمیں کچھ عورتیں اور مرد نظر آئے۔ بہت دیر بعد انسانوں کو دیکھا تو اطمینان ہوا۔

ٹو لیکن ہیم میں تباہی اور بربادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ نہ موت کی شعاع یہاں تک آئی تھی۔ اور نہ سیاہ دھند۔ یہاں کے لوگوں کو مزید کچھ پتا نہ تھا۔ البتہ وہ خوف زدہ تھے اور اپنے گھروں کو چھوڑ کر جا رہے تھے۔ اس کے بعد کئی جگہ ہمیں انسانی لاشیں بھی ملیں، تباہی بربادی بھی نظر آئی۔ کچھ فاصلے پر لوگ بھاگتے نظر آئے باقی سب امن و امان تھا البتہ اوپر کی طرف کچھ مکانوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

موت کے منھ میں

جیسے ہی ہم "کیو" کے قریب پہنچے کچھ لوگ ہماری طرف دوڑتے ہوئے آئے۔ پھر اس کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی۔ ان کے پیچھے مکانوں سے بھی اونچے قد کا مریخی تھا۔ ہم کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ خطرے نے ہمارے قدم جما دیے تھے۔ اگر وہ نیچے کی طرف دیکھ لیتا تو ہماری موت یقینی تھی۔ ہم اطمینان سے ایک طرف کھسکے اور ایک باغ کے سائبان میں چھپ گئے۔ پادری کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اب میں آگے نہیں جا سکتا۔ مگر مجھے لیدر ہیڈ اپنی بیوی کے پاس پہنچنا تھا، چناں چہ اندھیرا پھیلتے ہی میں کھڑا ہوگیا اور کیو کی طرف چل پڑا۔ میں نے پادری پر کوئی توجہ نہ کی، وہ خود ہی بھاگتا ہوا میرے پیچھے آگیا۔ اس بار میں نے بڑی احمقانہ حرکت کی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ آس پاس مریخی موجود ہیں، مگر مجھے تو اپنی بیوی سے ملنے کا جنون تھا۔ پھر ایک مریخی نظر آگیا۔ وہ کچھ لوگوں کے پیچھے تھا۔ اس نے انھیں مارا نہیں بلکہ اٹھا کر اطمینان سے اپنی کمر پر لٹکی ہوئی فولادی ٹوکری میں ڈال لیا۔ ہم مڑ کر بھاگے اور ایک باغ میں کھدی ہوئی خندق

میں چھپ گئے۔

رات گیارہ بجے میں نے پھر ہمت کی۔ اس بار ہم سڑک سے دور دور رہے۔ ہم بڑی احتیاط سے آگے بڑھتے رہے۔ کئی جگہ جلے ہوئے مکان اور لاشیں نظر آئیں۔ شین میں تباہی تو نظر نہ آئی مگر لوگ موجود نہیں تھے۔ یہاں پہنچ کر میرے ہم سفر نے پھر رونا شروع کر دیا اور میں نے ایک گھر کا رخ کیا۔

اس مکان میں ہم دونوں بڑی مشکل سے کھڑکی کے راستے داخل ہوئے۔ وہاں کھانے کو کچھ نہ ملا صرف پنیر کا ایک ٹکڑا تھا جو خراب ہو رہا تھا۔ ہم نے پانی پیا اور ایک کلہاڑی بھی وہاں سے اٹھالی۔ اگلے مکان میں ہمیں کھانے پینے کی کچھ چیزیں مل گئیں جن سے ہمیں کافی عرصے تک گزارا کرنا تھا۔ پادری کے پیٹ میں کچھ پڑا تو وہ مزید سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ آدھی رات سے کچھ پہلے کا وقت تھا کہ ایک سبز چکا چوند کر دینے والی روشنی نمودار ہوئی۔ وہ جگہ روشن ہو گئی اور پھر دوبارہ اندھیرا چھا گیا۔ اس کے بعد اتنا شدید دھماکا ہوا کہ میں نے اس سے پہلے زندگی میں کبھی نہ سنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میرے پیچھے شیشہ ٹوٹنے اور اینٹیں گرنے کی آواز آئی۔ دراصل دھماکے سے چھت کا کچھ حصہ گر گیا تھا۔ میں تو تقریباً بے ہوش ہو گیا۔ کافی دیر بعد میرے حواس کچھ ٹھیک ہوئے۔ میں نے پادری کو اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک کپڑے سے میرے چہرے کو صاف کر رہا تھا۔ میں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ایک گومڑا وہاں ابھر آیا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو پادری نے

سرگوشی میں منع کیا اور بتایا کہ مریخی باہر موجود ہیں۔ کافی دیر تک ہم خاموش بیٹھے رہے۔ ہمارے چاروں طرف ٹوٹی ہوئی اینٹوں اور پلاسٹر کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

صبح تک ہم ایسے ہی بیٹھے رہے۔ صبح ہوئی تو دیوار کی ایک درز سے ننھی سی روشنی کی کرن اندر داخل ہوئی اور ہم نے گھر کا جائزہ لیا۔ لگ رہا تھا یہ گھر اب گرنے والا ہے۔ اسی وقت میری نظر باہر کی طرف گئی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک مریخی سلنڈر پر کھڑا تھا۔ دراصل گزشتہ رات مریخ سے ایک سلنڈر پھینکا گیا تھا۔ وہ اسی کا دھماکا تھا۔ ہم دونوں پریشانی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ اسی وقت ہتھوڑا چلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی آواز بھی آ رہی تھی جیسی چولھے پر چڑھی ہوئی پتیلی میں سے بھاپ نکلتے وقت آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہمارے نیچے کا فرش بھی مسلسل ہلنے لگا۔ کئی گھنٹوں تک یہی ہوتا رہا۔ آخر ہم سو گئے۔

آنکھ کھلی تو زور کی بھوک محسوس ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ ہم سارا دن سوتے رہے تھے میں نے پادری سے کہا کہ آؤ کچھ کھا لیں۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں رینگتا ہوا باورچی خانے میں گیا اور اپنی پیٹ پوجا شروع کر دی۔ پیچھے پیچھے میرا ہم سفر بھی چلا آیا۔

کھانے کے بعد ہم واپس اپنی جگہ رینگتے ہوئے آئے اور سو گئے۔

جب آنکھ کھلی تو میں نے آپنے آپ کو اکیلے پایا۔ میرا ساتھی سوراخ سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اس کے پاس چلا گیا اور باہر دیکھنے لگا۔

بڑا تباہ کن منظر تھا سڑک کا کچھ پتا نہ تھا۔ سلنڈر زمین میں آدھے سے زیادہ دھنس چکا تھا۔ مریخی اس پر کام کررہے تھے اور سبز دھواں مسلسل اٹھ رہا تھا۔ آس پاس کے مکان کھنڈر بن چکے تھے۔ یہ سلنڈر اس مکان پر گرا تھا جس میں ہم پہلے گئے تھے۔ وہ تو ہماری قسمت اچھی تھی کہ وہاں کھانے کو کچھ نہ ملا تو چلے آئے ورنہ مریخی' دیو ہیکل مشینیں ہر چیز سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھیں۔ یہ ایک طرح کی دھاتی مکڑی تھی جس کے پانچ بازو تھے اور نہ جانے کیا کیا الا بلا اس کے چاروں طرف لگی تھی۔ یہ اپنی تین ٹانگوں سے چل رہی تھی اور دو بازوؤں سے سلنڈر کے اندر سے سامان نکال رہی تھی اور زمین پر رکھ رہی تھی۔اب میں نے اصل مریخیوں کو دیکھا۔ اس سے پہلے جو دیکھے وہ سب مشینیں تھیں۔ یہ بہت بڑے گول جسم والی مخلوق تھی۔ان کے سر تقریباً چار چار فیٹ کے تھے۔ ان کے منہ تو تھے لیکن ناک غائب تھی۔ شاید وہ سونگھنے کی صلاحیت سے محروم تھے۔ البتہ ان کی آنکھیں بہت بڑی بڑی تھیں اور ان کے نیچے ایک چونچ سی تھی۔ ان کے سر کے پیچھے ایک کان تھا۔ منہ کے آس پاس سولہ کوڑے کی طرح کے لہراتے بازو تھے۔ آٹھ منہ کے ایک طرف اور آٹھ دوسری طرف۔ شاید مریخ پر وہ اپنے ان ۱۶ بازوؤں کی مدد سے باآسانی سے چلتے ہوں گے۔ مگر زمین پر انھیں خاصی پریشانی ہورہی تھی۔

مریخیوں کا جسم کا اندرونی نظام بہت سادہ تھا۔ ان کے جسم کا بڑا حصہ دماغ تھا۔ اس کے علاوہ ان کے پھیپھڑے تھے جن میں ان کے

منہ کھلتے تھے۔ ایک دل بھی تھا۔ وہ چونکہ کچھ کھاتے نہیں تھے اس لیے ان کے معدہ بھی نہیں تھا۔ ان کی غذا دوسرے جانداروں کا تازہ خون تھا۔ اس خون کو وہ ایک پتلی ٹیوب کے ذریعہ کھینچ کر اپنی وریدوں میں داخل کر دیا کرتے تھے۔

مریخی سوتے نہیں تھے۔ وہ تھکتے بھی نہیں تھے۔ وہ مسلسل ۲۴ گھنٹے تک کام کرتے تھے۔ ان کا جسمانی نظام ہمارے مقابلے میں بہت سادہ تھا۔ انھیں خطرناک جراثیموں اور بیماریوں کا کچھ پتا نہ تھا۔ ان کے پیڑ اور بیج بھی عجیب تھے۔ وہ اپنے ساتھ جو بیج لائے تھے۔ ان سے سرخ رنگ کے پودے اتنی تیزی سے پھوٹتے تھے کہ دن کے تیسرے حصے میں ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی بیلیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اور پھر یہ بیلیں دور تک بڑھتی چلی گئیں۔ بالخصوص وہاں یہ زیادہ تیزی سے بڑھیں جہاں پانی تھا۔

ہم دونوں اسی طرح مسلسل انھیں دیکھتے رہے اور وہ بغیر رکے' بغیر تھکے مسلسل کام کرتے رہے۔ پھر انھوں نے اپنے جیسی ایک اور مشین تیار کرلی۔

اس مشین کی تیاری کے ساتھ ہی ہم بھاگ کر واپس کمرے میں چلے گئے کیوں کہ اسے دیکھ کر ہم خوف زدہ ہو گئے تھے اس کی اونچائی اتنی زیادہ تھی کہ ہمیں دیکھ لیے جانے کا امکان تھا۔ پھر بھی ہم دونوں تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس دیو قامت لڑاکا مشین کو باری باری سوراخ سے دیکھتے رہے جو اب وہاں موجود باقی تمام مشینوں کی لیڈر تھی۔ اسی

وقت پادری باہر کچھ دیکھ کر زور سے اچھلا۔ میں نے گھبرا کر باہر دیکھا۔ شروع میں تو کچھ نظر نہ آیا۔ پھر جو منظر میں نے دیکھا وہ واقعی دہشت ناک تھا۔ اصل مریخی وہاں آچکے تھے۔ اور اس کے ساتھ کچھ ان کی آوازیں سنائی دیں۔ دراصل ان مشینوں کے اندر مریخی مخلوق تھی جو ان مشینوں کی ڈرائیور تھی۔ مریخی چکنی جلد والے لجلجے تھے جن کی آنکھیں بہت چمکدار تھیں۔ اس مشین نے اپنے ٹوکری میں کچھ اٹھا کر ڈالا تھا اور وہ کوئی انسان تھا۔ وہ درمیانی عمر کا موٹا تازہ سا انسان تھا جسے مریخی نے کھا لیا تھا۔

بڑا خوف ناک منظر تھا جو قطعی طور پر ناقابل برداشت تھا۔ میں وہاں سے بھاگا تو پیچھے پیچھے پادری بھی آنکھوں پر ہاتھ رکھے چلا آیا۔ اس پوری رات میں فرار کے منصوبے بناتا رہا۔ پادری تو کسی قابل ہی نہ تھا کہ اس سے میں کوئی مشورہ کرتا۔ میں مسلسل سوچ رہا تھا۔ شاید یہ تیسرا دن تھا۔ آج سے دو دن پہلے مریخیوں نے میرے سامنے جیتے جاگتے انسان کو کھا لیا تھا۔ میں ادھر ادھر پھرتا رہا، غور کرتا رہا۔ کلہاڑی میرے ہاتھوں میں تھی۔ ایک آدھ بار میں نے کچھ کھودنے کی کوشش بھی کی مگر آواز پیدا ہونے کی وجہ سے رک گیا۔ کئی راتیں گزر گئیں۔ ایک رات جب کہ آدھی رات گزر چکی تھی میں نے جھانک کر باہر دیکھا۔ پورا چاند آسمان میں چمک رہا تھا۔ مریخیوں کی کئی مشینیں وہاں سے جا چکی تھیں۔ صرف ایک بڑی بات مشین گڑھے سے کچھ دور کھڑی تھی۔ باقی کچھ نہ تھا۔ اسی وقت میں نے توپوں کی گڑگڑاہٹ سنی۔ پھر

ایک کتا زور سے رویا۔ دوبارہ توپیں گرجیں۔ میں نے گنا۔ چھے مرتبہ توپیں گرجی تھیں۔

اس قید میں ہمارا چھٹا دن تھا۔ میں نے سوراخ سے آخری مرتبہ باہر دیکھا۔ پادری نے موقع غنیمت سمجھا اور باورچی خانے میں جا کر کچھ کھانے لگا۔ جب کہ ہم نے باورچی خانے میں بچے ہوئے کھانے کی راشن بندی کر دی تھی تاکہ زیادہ دن تک کھا سکیں، مگر پادری کو بھوک بہت لگتی تھی۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کھانے کے چکر میں رہتا تھا۔ کھانے پر ہم دونوں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کا پہرہ دیتے رہے۔ اس طرح دو دن اور گزر گئے۔ اس کے بعد ہم دونوں میں لڑائی ہو گئی۔ اس نے مجھے مارا اور میں نے اس کو کھسوٹا۔ وہ بھوک سے پاگل ہو رہا تھا جب کہ میرا اصرار تھا کہ ہمیں حساب کتاب سے ہی کھانا چاہیے۔ کچھ دن اور گزرے ایک دن وہ پادری پاگل ہو گیا اور زور زور سے چیخنے لگا۔ میں اسے چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا۔ کبھی وہ روتا، کبھی خوشامد کرتا اور کبھی مجھے ڈراتا دھمکاتا۔ آخر میں نے کلہاڑی کے ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔

اچانک میں نے باہر کچھ شور سنا۔ پھر دیوار ٹوٹنے کی آواز آئی۔ اس دیوار میں سے مریخی دیو کا فولادی چمکتا ہوا ہاتھ اندر آ رہا تھا۔ اس کے بعد کئی لہراتے بل کھاتے آکٹوپس کی طرح کے بازو اندر آ گئے۔ میں دور ہو گیا۔ بازو اور آگے آئے۔ میرے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی۔ میں اندر کوئلوں کی کوٹھری میں جا چھپا۔ خوف سے میرا برا حال تھا

اور دل ایسے دھک دھک کر رہا تھا کہ ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ اس کے بعد پادری کا مردہ جسم ان بازوؤں سے ٹکرایا اور انھوں نے اسے باہر کھینچ لیا۔ میں اندر ہی چھپا رہا۔ مریخی دیو اپنے لہراتے بل کھاتے بازوؤں سے اس جگہ کا معائنہ کرتا رہا۔ کوئلوں کو سمجھنے کی کوشش کی اور کبھی آتش دان میں جلائی جانے والی لکڑی کو پرکھنا چاہا۔

ایک بار اس کا بازو میرے جوتے کی ایڑی سے بھی ٹکرایا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا' میں دل ہی دل میں اللہ سے اپنی سلامتی کی دعائیں مانگتا رہا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ میری ہمت اتنی بھی نہ ہوئی کہ کوٹھری سے باہر جاکر دیکھتا۔ سارا دن میں لکڑی اور کوئلوں پر پڑا رہا۔

اگلے دن میں باورچی خانے میں گیا' مگر وہ بالکل خالی تھا۔ مریخی سب کچھ لے گئے تھے۔ یہ دیکھ کر میں بے حد پریشان ہوگیا۔ اگر کھانا نہیں ملا تو زندہ کیسے رہوں گا؟ میرا حلق خشک ہوگیا اور جسم سے جان نکلنے لگی۔ کھانا پینا غائب دیکھ کر میری ہمت جواب دے گئی تھی۔

بارھویں دن میں نے گندے پانی کا پائپ توڑ کر اس میں سے برساتی پانی پیا اور اس بات کی فکر بھی نہ کی کہ شور سن کر مریخی آجائیں گے' مگر کوئی نہ آیا۔ اس کے بعد میں سوگیا۔ مجھ پر غنودگی طاری ہورہی تھی۔

اگلے دن میں نے تھوڑا سا گندے پائپ کا پانی اور پیا۔ اس وقت میری نظر باہر پڑی۔ باہر کا منظر نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا کیوں کہ سرخ مریخی بیلوں نے تیزی سے اگ کر اس جگہ کو ڈھک دیا تھا۔ اگلے دن میں نے دیواروں کے باہر کسی کے کھرچنے کی آوازیں سنی۔ وہ کوئی کتا تھا

جو اپنے پنجوں سے دیوار کھرچ رہا تھا۔ شاید میری بو اس نے سونگھ لی تھی۔ پھر وہ بھونکنے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے چمکارا تو وہ غائب ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ باہر گڑھے سے کوئی آواز نہیں آرہی ہے اور ہر طرف سناٹا ہے۔ میں نے چاہا کہ سرخ بیلوں کو ہٹا کر باہر کا منظر دیکھوں' مگر ہمت نہیں ہوئی۔ ایک آدھ بار کتے کے آنے جانے کی سی آواز محسوس ہوئی۔ پھر کچھ پرندوں کی چہچہاہٹ بھی سنائی دی۔ آخر ہمت کرکے میں نے سرخ بیلیں ہٹا کر باہر جھانکا۔

باہر گڑھے میں کچھ بھی نہ تھا سوائے مردہ جسموں کی بچی کھچی ہڈیوں کے جنھیں مریخیوں نے اپنی خوراک بنایا تھا۔ اس ڈھیر پر کچھ کوے لڑ رہے تھے۔ دوسرے کونے میں سبز رنگ کی مٹی کا ڈھیر پڑا تھا۔ وہیں کچھ فولادی سلاخیں بھی رکھی تھیں۔ باقی صرف ریت تھی اور خاموشی !

میں بڑی احتیاط سے سرخ بیلوں میں سے راستہ بنا کر باہر نکلا۔ دور دور تک کسی مریخی کا پتا نہ تھا' مگر یہاں سے نکلنا ایک مسئلہ تھا کیوں کہ مریخیوں نے اس جگہ کو کھود کھود کر ہر طرف ملبے' ریت اور مٹی کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ اور یہ گڑھے بہت گہرے تھے۔ میں مٹی کے ایک ڈھیر پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں اور باہر کس طرح نکلوں؟ آخر میں نے ہمت کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں سے نکل کر میں کسی نہ کسی طرح سڑک تک آیا۔ یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ بہرحال میں اس سڑک پر پہنچا جو کچھ دن پہلے تک ایک خوب صورت سڑک تھی جس کے دونوں طرف سرسبز درخت تھے' مگر اب وہ محض گڑھوں اور ریت اور مٹی کے

اونچے نیچے ٹیلوں کا میدان تھی۔ دور دور تک سرخ بیلیں زمین پر پھیلی ہوئی تھیں جن سے سارا علاقہ سرخ رنگ میں رنگ گیا تھا۔ یہاں کے تمام مکان ٹوٹ پھوٹ گئے تھے اور ویران تھے۔ سرخ بیلوں نے ان مکانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایک بھوکی اور مریل سی بلی مجھے ضرور نظر آئی باقی کسی جاندار کو میں نے وہاں نہ دیکھا۔ میں اتنے عرصے میں اندھیرے میں رہا تھا کہ اب دن کی روشنی آنکھوں کو بری لگ رہی تھی، مگر تازہ ہوا نے میرے جسم میں طاقت پیدا کر دی تھی ! میں نے پلٹ کر اس مکان، اس قید خانے کو دیکھا جس میں میں نے پورے پندرہ دن گزارے تھے۔

زمین کا انتقام

باہر کا منظر میری دنیا کا منظر تو نہ تھا۔ یہ تو کوئی اور سیارہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی وقت میری نظریں سامنے پڑیں جہاں تھوڑے فاصلے پر ایک باغ نظر آ رہا تھا جو نہ جانے کس طرح بچ گیا تھا۔ میں سرخ بیلوں کے درمیان راستہ بناتا ہوا اس باغ کی طرف چلا۔ بیلیں کہیں کہیں میرے گھٹنوں تک تھیں اور کہیں کہیں میری گردن تک پہنچ گئی تھیں۔ اس سے مجھے تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔ باغ کی دیوار چھ فیٹ اونچی تھی جس پر چڑھنے کی ہمت میں بالکل نہ کر سکا اور گھوم پھر کر کوئی دروازہ تلاش کرنے لگا۔ آخر مجھے ایک چٹان کا کونا نظر آیا جن پر چڑھ کر میں باغ میں پہنچ گیا۔ یہاں سے مجھے کچھ گاجریں اور پیاز مل گئی۔ میں نے سب لے لیں اور آگے چلا۔ اب میری منزل "کیو" تھا۔ سرخ بیلوں سے لدے راستوں اور درختوں سے میں سیدھا چلا جا رہا تھا۔

راستے میں دریا ٹیمز اور دریائے وے ملے جن میں بھی یہی سرخ بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ پانی میں ان کی افزائش بہت تیز ہو رہی تھی۔

مگر آخر میں یہ سرخ بیلیں جتنی تیزی سے پھیلی تھیں اتنی ہی تیزی

سے ختم ہوتی چلی گئیں اور دریاؤں کا پانی انھیں سمندر میں بہا لے گیا۔

میں چلتا رہا۔ راستے میں میں نے دریا کا پانی بھی پیا اور سرخ بیلیں توڑ کر بھی کھائیں۔ ان کا عجیب سا ذائقہ تھا۔ غرض یہ کہ میں اس سیلاب میں چلتا رہا اور کامن کے قریب پہنچ گیا۔

یہاں کا منظر بالکل بدل چکا تھا۔ لگ رہا تھا کوئی بہت بڑا طوفان یہاں سے گزرا ہے جس نے خاصا نقصان کیا تھا۔ کچھ مکان تو بالکل محفوظ تھے۔ یہاں سرخ بیل زیادہ نظر نہ آئی' کہیں کہیں تھی۔ میں نے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کچھ مکانوں کی تلاشی بھی لی' مگر وہ بالکل خالی تھے۔ ان میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ملی۔ میں تھک ہار کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ دور دور تک نہ کوئی انسان تھا اور نہ کوئی مریخی۔ دو بھوکے کتے نظر آئے۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر میرے پاس آنے کے بجائے بھاگ گئے جیسے انھوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

میں نے راستے میں کچھ پنجر پڑے دیکھے جو جانوروں کے بھی تھے اور انسانوں کے بھی۔ ایک بار باغ میں مجھے تھوڑے سے ٹماٹر مل گئے جن سے میں نے پیٹ کی آگ بجھائی۔ آگے بڑھا تو ہر طرف سیاہی نظر آئی۔ جلے ہوئے درخت' جلے ہوئے مکان' دور دور تک دریا میں پھیلی ہوئے سرخ بیل اور ہر طرف طاری ایک ہولناک سناٹا۔ لگ رہا تھا میں کسی اجنبی دنیا میں چلا آیا ہوں۔ اور یہاں صرف میں ہی واحد انسان ہوں۔ شاید مریخیوں نے ان علاقوں سے انسانوں کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے اور اب آگے کہیں چلے گئے ہیں۔ پتا نہیں اب وہ کہاں تھے !

شاید برلن یا پیرس کو تباہ برباد کر رہے ہوں !

میں نے وہ رات پہاڑی پر بنے ہوئے ایک ہوٹل میں گزاری۔ وہیں مجھے کچھ کھانے کو بھی مل گیا۔ باقی غذا چوہے کھا چکے تھے۔ سونے سے پہلے میں نے کھڑکی سے باہر کا اچھی طرح جائزہ لیا اور مریخیوں کو تلاش کیا' مگر وہ دیو کہیں نظر نہ آئے۔ بڑی مشکل سے تھوڑا بہت سویا ' کبھی پادری کا خیال آجاتا اور کبھی اپنی بیوی کا۔

اگلی صبح بڑی خوش گوار تھی۔ مشرق میں آسمان سنہرے بادلوں کی وجہ سے گلابی ہو رہا تھا۔ ومبلڈن جانے والی سڑک پر کئی گاڑیاں الٹی نظر آئیں۔ کچھ لوگوں کی لاشیں بھی پڑی تھیں۔ میرا ارادہ تھا کہ لیدر ہیڈ جاؤں گا۔ اگرچہ مجھے پکا یقین تھا کہ میری بیوی اب زندہ نہیں ہوگی' مگر پھر بھی کوشش کر لینے میں کیا ہرج تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری بیوی اور میرے دوسرے رشتہ دار کہیں اور چلے گئے ہوں اور زندہ ہوں ! یہ سب لیدر ہیڈ سے ہی پتہ چل سکتا تھا۔

میں کامن کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ یہاں وہ سرخ بیلیں تھیں اور نہ مریخی۔ کامن سے گزر کر میں پل پر پہنچا جہاں سرخ بیلیں بہت بڑی تعداد میں تھیں' مگر رفتہ رفتہ سوکھ کر ختم ہو رہی تھیں۔ میں گلیوں اور سڑکوں سے گزرا' مگر کوئی زندہ انسان نہ ملا اور نہ کچھ کھانے کو مل سکا۔ ایک بیکری سے تھوڑے سے بسکٹ ملے جن سے بھوک تو کم نہ ہوئی البتہ پہلے سے بڑھ گئی۔ آگے بڑھا تو سڑکوں پر سیاہ پاؤڈر پڑا نظر آیا اور کئی لاشیں بھی ملیں۔ خاموشی بہت تھی۔ کبھی کبھی

میں سوچتا کہ میں بہرا تو نہیں ہوگیا ہوگیا ہوں۔ ایک سنار کی دکان کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کے شوکیس کے زیورات ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ کسی نے انھیں ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اس موقع پر مجھے اندازہ ہوا کہ بھوک کے آگے سونا چاندی بھی بے کار ہیں۔

جنوبی کینسنگٹن کے قریب میں نے شور سا سنا۔ عجیب و غریب سی آواز تھی۔ میں جوں جوں آگے بڑھتا گیا آواز بھی تیز ہوتی گئی۔ ہائیڈ پارک کے دروازے سے میں نے اندر دیکھا، کوئی نظر نہ آیا۔ آگے بڑھا کہیں کچھ نہیں تھا۔ سب مکان خالی تھے اور آگے بڑھا تو آواز اور تیز ہوگئی۔ آواز تو تھی، مگر آواز والا نہ تھا۔ اب اندھیرا پھیل رہا تھا۔ مجھے کچھ کھانے کی بھی تلاش تھی۔ میں بیکر اسٹریٹ سے ہوتا ہوا ریجنٹ پارک پر آیا۔ یہاں میں نے درختوں سے اوپر ایک مریخی کا فولادی ہیلمٹ دیکھا۔ وہی مریخی اصل میں چیخ رہا تھا بلکہ رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں اسے دیکھتا رہا، لیکن وہ وہاں سے ہلا تک نہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ وہاں کھڑا کیوں رو رہا ہے!

میں ایک منصوبہ بنا رہا تھا، مگر اس کی چیخ و پکار مجھے سوچنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ میں مڑ کر واپس آگیا اور سینٹ جان کے جنگل کے قریب کھڑا ہو کر مریخی کو دیکھنے لگا۔ دراصل وہ وہی مشین تھی جس نے میرے قید خانے سے باہر کام کیا تھا۔ اس وقت یہ مشین انھی مکانوں کے ملبہ پر پڑی چیخ رہی تھی جنھیں اس نے کھنڈر کیا تھا۔ شاید اس مشین کو اندھا دھند طریقے سے چلایا گیا تھا جس سے اسے نقصان پہنچ گیا تھا۔

تھوڑے فاصلے پر دو مشینیں اور نظر آئیں جو خاموش کھڑی تھیں۔ جیسے ہی میں آگے بڑھا رونے والی مشین خاموش ہو گئی۔

رات تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ مریخی کی آواز بند ہونے کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔ مجھے پہلی بار اکیلے پن کا احساس ہوا۔ سڑک اندھیرے میں چھپ گئی۔ آگے کوئی ہیولا سا حرکت کرتا نظر آیا۔ میں پلٹ کر واپس بھاگا۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک خالی جھونپڑی مل گئی۔ میں اسی میں چھپ گیا۔ مگر صبح ہونے سے پہلے میں باہر نکلا آیا اور ایک بار پھر ریجنٹ پارک کی طرف چلا۔ پرائم روز کی پہاڑی پر مجھے ایک اور مریخی ملا جو اس پہلے ملنے والے مریخیوں کی طرح بالکل خاموش کھڑا تھا۔ میں نے سوچا کہ ایسی زندگی سے بہتر ہے کہ اپنے آپ کو مار ڈالوں اور اس سے اچھا موقع مرنے کے لیے مل نہیں سکتا تھا۔ میں اس مریخی کی طرف چلتا گیا اور جب اس کے قریب پہنچا تو روشنی بڑھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ سیاہ پرندوں کا ایک غول اس مریخی کے گرد منڈلا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ پرائم روز کی پہاڑی سے نیچے آکر میں نے پلٹ کر دیکھا۔ کافی اونچے اونچے ٹیلے تھے۔ یہ ٹیلے مریخیوں نے آخر میں بنائے تھے۔ ان میں سے ہلکا ہلکا سا دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں دیوانوں کی طرح مریخی عفریت کی طرف دوڑا۔ میرے دل سے خوف نکل چکا تھا۔ اس دیو کے اوپر ڈھیروں کوے بیٹھے تھے۔ اس کا ہیلمٹ اتر چکا تھا اور کوؤں نے اندر موجود مریخی مخلوق کو نوچ نوچ کر کھا لیا تھا۔ میں اوپر چڑھ کر گڑھے میں دیکھنے لگا اندر بہت سی مشینیں بکھری پڑی تھیں۔ ان

کے ساتھ مریخی مخلوق بھی مری پڑی تھی۔ دراصل اس مخلوق کو زمین پر موجود اس بیکٹریا نے مار دیا تھا جس سے بچاؤ کا اس نے پہلے سے کوئی انتظام نہ کیا تھا۔ سرخ بیلیں بھی اسی بیکٹریا کی وجہ سے مریں تھیں اور بعد میں مریخی مخلوق بھی۔ جس خوف ناک مخلوق کو ترقی یافتہ انسان نہ مار سکا اسے معمولی سے بیکٹریا نے کتنی آسانی سے مار دیا تھا۔ یہ زمین کا انتقام تھا۔

اس گڑھے میں پچاس کے قریب مریخی تھے جو سب کے سب اسی بیکٹریا کی وجہ سے مرے تھے۔ یہ کب مرے اس کا تو کوئی پتہ نہ تھا' لیکن یہ مرچکے تھے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے مڑ کر نیچے کی طرف دیکھا۔ دو مریخی اور کھڑے تھے۔ خاموش اور بے حرکت۔ وہ بھی مرچکے تھے اور اب ان فولادی میناروں سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے جو دھوپ میں چمک رہے تھے۔ نیچے دور تک لندن شہر دکھائی دے رہا تھا جو اس عذاب سے بچ گیا تھا۔ خوف و دہشت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اب وہاں زندگی پھر سے شروع ہونے والی تھی۔ لوگ واپس آتے' ان کے گھر بسنے پر روشنیاں جل اٹھتیں اور ہر طرف ایک بار پھر رنگ بکھر جاتے۔ مکانوں کی پھر تعمیر ہوگی' کھنڈروں کی جگہ آبادیاں ہوں گی۔ خالی گلیاں پھر بھر جائیں گی۔ "اللہ تیرا شکر ہے" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اچانک مجھے اپنی بیوی یاد آگئی اور مجھے جھرجھری سی آگئی۔ کیا وہ زندہ ہوگی؟ میں اللہ سے رو رو کر گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگتا رہا اور

پرائم روز کی پہاڑی پر اپنے رب کی مدد کو پکارتا رہا۔ اور پھر مجھے سکون آگیا۔ اس کے بعد کا مجھے پتا نہیں۔ نہ جانے میں کب تک پرائم روز کی پہاڑی پر پڑا رہا۔ میری طرح کچھ اور بچ جانے والے لوگ وہاں آ گئے اور پھر مریخیوں کو موت کی خوش خبری پورے ملک میں پہنچ گئی اور لوگ خوش ہوگئے۔ سب نے فتح اور خوشی کے نعرے لگائے۔ دوسرے ملکوں کو چلے جانے والے لوگوں کی واپسی شروع ہوگئی ۔ دوسرے ملکوں نے ہمارے لیے غذا' دواؤں اور دوسری چیزوں اور امدادی سامان کے ڈھیر لگا دیے۔ جہاز پر جہاز سامان سے لدے ہوئے لندن چلے آ رہے تھے۔

میں کچھ لوگوں کے پاس تھا۔ میں ان کے پاس کس طرح پہنچا مجھے کچھ پتا نہیں۔ انھوں نے مجھے دیوانوں کی طرح ہنستے' گاتے اور روتے دیکھا تھا اور مجھ پر ترس کھا کر اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ انھوں نے میری اچھی طرح دیکھ بھال کی اور ان کی توجہ سے میں ٹھیک ہونے لگا۔

لیدر ہیڈ کے بارے میں ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ اسے مریخیوں نے بالکل تباہ کر دیا ہے۔ میں کئی روز تک اپنے مہربانوں کے ساتھ رہا۔ میں وہاں سے جانا چاہتا تھا' مگر وہ نیک دل لوگ مجھے جانے نہیں دے رہے تھے۔ آخر بڑی مشکل سے انھوں نے مجھے اس وعدے پر جانے کی اجازت دی کہ واپس ضرور آؤں گا۔

اب گلیاں اور سڑکیں پر رونق تھیں۔ دکانیں بھی کھل گئیں تھیں۔ لوگوں کے ہجوم آجارہے تھے حال آنکہ خاصی بڑی آبادی ماری جا چکی تھی۔

گھر واپسی

آخر میں واٹر لو کے پل پر پہنچ گیا۔ اب ٹرینیں بھی چلنے لگیں تھیں۔ میں بھی ٹرین میں سوار ہوا اور ٹرین چل پڑی۔ باہر کے منظر خاصے درد ناک تھے' مگر اب تو سب کچھ ہو چکا تھا۔ سیاہ درخت' سیاہ گھاس' جلے ہوئے مکانات اور سرخ بیلوں سے بھرے ہوئے تالاب اور حوض۔ راستے میں ایک جگہ سلنڈر بھی نظر آئے۔ اب لوگ ان پر چڑھے ہوئے تھے۔ اس سلنڈر پر یونین جیک لہرا رہا تھا۔

آگے ریلوے لائن اکھڑی ہوئی تھی۔ ہائی فلیٹ اسٹیشن پر اتر کر میں بذریعہ سڑک سے بری کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں میں اس جگہ رکا جہاں میری گھوڑا گاڑی الٹ گئی تھی۔ جہاں میں نے کمانڈر سے بات کی تھی وہ جگہ بھی میں نے پہچان لی۔ قریب ہی مرے ہوئے گھوڑے کا پنجر پڑا ہوا تھا۔ جب میں ہوٹل پہنچا تو پتا چلا کہ وہ ملبے میں دب چکا ہے۔ یہ ساری جگہ گردن تک سرخ بیلوں سے بھری ہوئی تھی۔ آگے بڑھا تو ایک آدمی نے میرا نام لے کر مجھے آواز دی۔ میں نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور آگے چل دیا۔

اب میرا گھر میرے سامنے تھا۔ اس کا دروازہ کھلا پڑا تھا اور آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔ میں اندر داخل ہوا۔ کھڑکی کے پردے لہرا رہے تھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے میں نے اور فوجی نے خوف ناک منظر دیکھے تھے۔ جب سے کسی نے کھڑکی کے پٹ بند نہیں کیے تھے۔ اندر خاموشی تھی۔ قالین خاصا گندا ہو چکا تھا۔

کھانے کے کمرے میں کچھ گوشت اور روٹی تھی جو خراب ہو چکی تھی۔ گھر میں کوئی بھی نہ تھا اور ہوتا بھی کیسے؟ میں یہاں کیوں یہاں چلا آیا تھا!

اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی میں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا:

"بے کار ہے! اندر جا کر کیا ہوگا۔ اب وہ زندہ نہیں ہے۔ چلو' واپس چلیں۔ دیکھو تو یہاں کیسی ویرانی برس رہی ہے۔"

میں اچھل پڑا اور تیزی سے باہر نکلا۔ با باہر میری بیوی' میرے بھائی کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ لوگ اس کو سمجھا رہے تھے اور واپس چلنے کو کہہ رہے تھے۔ جیسے ہی ان لوگوں کی نظر مجھ پر پڑی وہ میری طرف دوڑے۔ میری بیوی تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔

اب جب کہ یہ کہانی ختم ہو رہی ہے میں کچھ باتوں کی وضاحت کروں گا۔ تعلیم میں میرا مضمون انسانی دماغ کا مطالعہ ہے اور مجھے میڈ-سن کے بارے میں بہت کم علم ہے' مگر یہ سچ ہے کہ مریخی ہماری زمین پر پائے جانے والے بیکٹریا سے مرے تھے۔ بعد میں ان کے جسموں کا معائنہ کیا گیا تو یہ پتا چلا کہ یہ بیکٹریا وہ مریخ سے نہ لائے تھے۔

کوئی نہیں جانتا کہ سیاہ دھند کس چیز سے بنی تھی اور نہ موت کی شعاع کا معمہ حل ہو سکا۔ جب سیاہ پاؤڈر کا تجزیہ کیا گیا تو پتا چلا کہ اس میں کوئی ایسی مہلک چیز ہے جو فوراً ہی انسان کے خون پر حملہ کر کے ہلاک کر دیتی ہے۔

مریخیوں کے جسم کوؤں اور کتوں نے نوچ کھائے تھے۔ اس لیے ان کا تفصیلی مطالعہ نہ کیا جا سکا، مگر ایک جسم صحیح سلامت مل گیا تھا لہٰذا اسے خصوصی محلول لگا کر میوزیم اوف نیچرل ہسٹری میں لوگوں کے دیکھنے کے لیے رکھ دیا گیا۔

سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا مریخی دوبارہ زمین پر حملہ کریں گے؟ میرا خیال ہے ہم نے اس کے لیے کوئی خاص دفاعی انتظام نہیں کیا۔ اس کے لیے ہمیں تیار رہنا ہوگا۔ ہمیں مریخ پر موجود ان توپوں کی صحیح سمت کا پتا چلانا ہو گا جن سے سلنڈر زمین کی طرف پھینکے جاتے رہے۔ ہمیں مریخ پر مسلسل نظر رکھنی ہوگی اور اگلے حملے کے لیے بالکل تیار رہنا ہوگا۔ اس صورت میں مریخ سے آنے والے سلنڈروں یا میزائلوں کو فضا میں ہی تباہ کر دیا جائے گا۔

مریخیوں کو بھی معلوم ہو چکا ہو گا کہ زمین کو فتح کرنا آسان نہیں ہے اور یہ کہ انسان ان سے ٹکر لینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔